

مارچ ۲۰۰۰ء

ماہنامہ  
پیشاق  
لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

\*

مکتوب بھارت

تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں  
بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا تائیدی مراسلہ

**Syed Shahabuddin**  
IFS (Retd.) Ex-MP

Residence : Flat 404, Block-8  
East End Apts, Mayapuri Vihar-1 Ext.  
Delhi-110096

Advocate Supreme Court of India  
Editor, Muslim India Monthly

Office : Behind 29, Feroze Shah Road  
New Delhi-110001  
Tel/Fax : 378 2059, Resl. : 271 1354

My dear Dr. Asrar Ahmad Saheb,

17 February, 2000

In the latest issue of your journal, I have seen the solution to the Kashmir problem suggested by you. I am glad that this comes very close to what I have been suggesting since beginning.

My approach is based on the fact that the State is multi-ethnic and historically an artificial construct. Northern Areas and the south western region below the Pir Panjal which are Punjabi-speaking should be incorporated in Pakistan. Ladakh and Jammu should be integrated in India. The Valley of Kashmir which is a geographical, linguistic and cultural entity should enjoy, like Andorra on the border of Spain and France, complete internal autonomy, **under the joint umbrella of India and Pakistan**, which should together underwrite its development and be responsible for its defence and foreign relations

Kashmiris should have access to both India and Pakistan for education, trade and even residence while neither Indians nor Pakisantanis have the right to settle in the Valley.

In my view, this is the only feasible solution which serves the interests of all partners – India, Pakistan and the Kashmiris.

With kind regards,

Yours sincerely,

(اس خط کا اردو ترجمہ اندرونی سرورق ۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

(SYED SHAHABUDDIN)

وَلَذِكْرُكُمْ أَكْبَرًا أَعْتَدَ اللَّهُ لِمَنْ كَفَرَ بِآيَاتِهِ عَذَابًا أَلِيمًا  
 وَبِذِكْرِهِمْ أَنْ يَنْجَلُوا مِنْهَا لَئِنْ كَانُوا مِنْكُمْ لَشَاكِرِينَ  
 وَبِذِكْرِهِمْ أَنْ يَنْجَلُوا مِنْهَا لَئِنْ كَانُوا مِنْكُمْ لَشَاكِرِينَ

# میتاق

مد پبلسٹنل  
 ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۲۹  
 شماره : ۳  
 ذوالحجہ : ۱۴۲۰ھ  
 مارچ : ۶۲۰۰۰  
 فی شماره : ۱۰/-  
 سالانہ ذر تعاون : ۱۰۰/-

## سالانہ ذر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)
- بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 ڈالر (400 روپے)

## دلالت تصویر

شیخ عبد اللہ الزکری  
 حافظہ عارف سعید  
 حافظہ خالد محمود

توسیل ذر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔

## مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور



مقام اشاعت : 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون : 03-02-5869501

فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain.net.pk

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون : 6366638-6316638 فیکس : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لینڈ

## مشمولات

- ☆ عرض احوال ۳  
حافظ عاکف سعید
- ☆ اک دیا اور بجھا ۷  
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی  
ڈاکٹر اسرار احمد
- ☆ افاداتِ علی میاں ۱۷  
قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب  
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- ☆ لمحہ فکریہ ۲۹  
تجھے کیا ملے گا نماز میں؟  
ابو عبد الرحمن شہیر بن نور
- ☆ منہاج المسلم (۵) ۳۳  
اللہ تعالیٰ کے رسولوں ﷺ پر ایمان  
علامہ ابو بکر الجزائری
- ☆ توضیح و تنقیح ۲۹  
”سی ئی بی ئی“ کی شرعی حیثیت  
دارالعلوم حقانیہ
- ☆ گوشہ خواتین ۶۳  
سیرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
فرزانہ رشید
- ☆ افہام و تفہیم ۶۹  
حاضرین درس کے سوالات اور امیر تنظیم اسلامی کے جوابات
- ☆ افکار و آراء ۷۳  
جزل پرویز مشرف کی خدمت میں چند گزارشات  
ملک احمد سرور
- ☆ حسن انتخاب ۷۸  
تاریخ اندلس اور مسلمان  
ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

پاک بھارت کشیدگی ایک بار پھر عروج پر ہے۔ نہ صرف یہ کہ کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر بھارت کی جانب سے اشتعال انگیز کارروائیاں جاری ہیں بلکہ بھارتی وزیر اعظم کے ذہن سے بھی مسلسل نفرت و عداوت کے شرارے نکل رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بھارت پر جنگی جنون پورے طور پر مسلط ہو چکا ہے اور وہ نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر جنگ کی آگ میں کود پڑنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب امریکی صدر بل کلنٹن کا دورہ بھی اب کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ کلنٹن کی پاکستان آمد کو تاحال غیر یقینی بنائے رکھنے اور حتیٰ فیصلے کو مؤخر کرنے کا سبب اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ پاکستان پر دباؤ ڈال کر امریکہ اپنے کچھ مطالبات منوانا چاہتا ہے جن میں سرفہرست سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا مطالبہ ہے جس سے امریکہ کسی طور پر دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ اور یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی کہ سی ٹی بی ٹی کے ذریعے پاکستان کو بتدریج اس کی خداداد ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنے کی سازش دراصل یہودی ذہن کی پیداوار ہے جس کی نگاہ میں پاکستان کا یہ ایٹمی پروگرام کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ کلنٹن کے متوقع دورے کا ایک اہم ایجنڈا مسئلہ کشمیر کے حل کا کوئی قابل عمل فارمولا وضع کرنا بھی بتایا جا رہا ہے۔ صدر کلنٹن اپنی مدت صدارت مکمل ہونے سے قبل اپنے سینے پر جو نمائیاں تنے سجانا چاہتے ہیں انہی میں ایک مسئلہ کشمیر کے حل کا تاریخی کارنامہ بھی شامل ہے۔

ان حالات میں تنظیم اسلامی کے موقف کا خلاصہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز کے ذریعے بہتر طور پر سامنے آتا ہے۔ ۴ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم فرماتے ہیں :

”مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی طرف سے دی گئی تجویز کہ جموں اور لداخ ہندوستان کو دے دیا جائے، جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے، اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اس کا آدھا حصہ قابل عمل اور آدھا غلط ہے۔ اس تجویز میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے اگر ہندو اکثریتی علاقے یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ قرار دیا جائے تو یہ بات زیادہ قرین انصاف ہوگی۔ تاہم دوسرے درجے میں اس بات پر بھی

غور ہو سکتا ہے کہ صرف وادی کی حد تک استعواب کرا لیا جائے اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہماری اقتصادی بد حالی کی بڑی وجہ مسئلہ کشمیر ہے جسے اب ہر حال میں حل ہونا چاہئے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجود تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔

امیر تنظیم اسلامی نے چیف ایگزیکٹو کی منتخب ضلعی انتظامیہ کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملک میں صدارتی نظام، چھوٹے صوبے اور امریکی طرز کے کاؤنٹی لیول پر اختیارات کی تقسیم پر مبنی نظام رائج کر دیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل کا ازالہ ہو سکتا ہے اور پرویز مشرف صاحب کی یہ سکیم نافذ ہو گئی تو اس کے بہت مثبت نتائج ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے افغانستان میں وزراء کو نسل کے سربراہ مار بانی کے عالیہ دورہ پاکستان کو خوش آمد قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس دورے سے پاکستان، افغانستان اور ایران پر مشتمل بلاک کی تشکیل کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

۱۱ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا:

”اگر پاکستان پر جنگ مسلط کر دی گئی تو وطن عزیز کا دفاع کرنا مسلح افواج ہی کا نہیں ہر پاکستانی کا دینی و ملی فریضہ ہو گا۔ بھارتی وزیر اعظم کے تیور سے لگتا ہے کہ پاکستان کے افق پر جنگ کے بادل چھا چکے ہیں اور تیسری پاک بھارت آل آؤٹ وار کا شدید اندیشہ موجود ہے، کیونکہ واجپائی نے حال ہی میں جاندر میں جو زہر آلود باتیں کی ہیں وہ کھلم کھلا طبل جنگ بجانے کے مترادف ہے۔ بھارتی وزیر اعظم کا صاف الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ ہم ۱۹۴۷ء کے بوارے ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور پاکستان کے خلاف جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک آزاد کشمیر کو بھی واپس نہ لے لیں اور یہ کہ اگر پاکستان نے ایٹمی قوت کا مظاہرہ کیا تو ہم اس سے بڑھ کر کریں گے، ہندو قوم کے سینوں میں موجزن مسلمان دشمنی کا جنہ بولتا ثبوت ہے۔ واجپائی کا یہ بیان بالخصوص اس موقع پر جبکہ صدر کلپن بھارت کا دورہ کرنے والے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ بھارت اس خطے میں تناؤ کی فضا ختم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ اب کھلی حقیقت ہے کہ امریکہ نے اپنا سارا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے اور وہ چین کے مقابلے میں بھارت کو ایک نئی سپر پاور کی حیثیت سے ابھارنا چاہتا ہے، چنانچہ ان حالات میں صدر کلپن نے اگر صرف بھارت کا دورہ کیا اور پاکستان سے بے اعتنائی برتی تو یہ یقیناً بھارتی حکومت کی پالیسیوں کی تائید اور توثیق کے مترادف ہو گا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا اب جبکہ ظاہر ہو گیا ہے کہ بھارت جنگی جنون میں مبتلا ہے اور جس طرح مغرب کی طرف سے مسلم فنڈ امپلزم کا ہوا کھڑا کر کے پاکستان کو نرنے میں لیا جا رہا ہے تو ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے مسلح افواج کے ساتھ ساتھ پیپلز آرمی تیار کرنی چاہئے، جیسا کہ چین اور اسرائیل میں ہر فرد کے لئے ملٹری ٹریننگ لازم ہے۔ کیونکہ

کسی مسلمان ملک پر اگر کوئی غیر مسلم ملک حملہ کر دے تو وہاں کے رہنے والے تمام مسلمانوں پر اس کا دفاع فرض عین ہو جاتا ہے۔

سورۃ انفال کی رو سے ایسے موقع پر پیچھے دکھانا بہت بڑا جرم ہے، لہذا ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے اپنا تن من دھن لگانے کو تیار ہو جانا چاہئے۔ اسی سورہ مبارکہ میں اللہ 'اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ خیانت کرنے سے بچنے اور امانت داری کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ مسلمانان پاکستان کے لئے سب سے بڑی امانت خود یہ سلطنت خدا داد اور اس کی ایسی صلاحیت ہے۔ لہذا ہمیں ان امانتوں کی حفاظت کرنا ہے کجا یہ کہ ہم ایسی صلاحیت کو رول بیک کرنے کے بارے میں سوچیں۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارا الیکٹرانک میڈیا ایک ہی راگ الاپ رہا ہے کہ سی ٹی وی پر دستخط کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ حالانکہ امریکی سینٹ نے سی ٹی وی کی توثیق سے صرف اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر مزید تجربات نہ کئے گئے تو امریکہ اپنی ایسی صلاحیت کو اپ ڈیٹ نہیں کر سکے گا۔ لہذا حکومت کو چاہئے کہ وہ سی ٹی وی پر دستخط کا خیال دل سے نکال دے اور یہاں شرعی قانون سازی اور سوڈی نظام کے خاتمے کا عمل تیز کر دے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یوم بدر کی طرح اللہ ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں قدم قدم پر فتح عطا فرمائے گا۔ اللہ کی اس خصوصی نصرت کا ایک مظاہرہ ہم ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی دیکھ چکے ہیں۔"

۲۵ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا :

"امت مسلمہ کا اصل مقابلہ یہود سے ہے اور پاکستان کو امت مسلمہ کے امام کی حیثیت حاصل ہے، لہذا یہود اور اسرائیل کے مقابلے کے لئے پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے جو ایسی صلاحیت عطا کی ہے وہ دراصل امت مسلمہ کی امانت ہے جس پر سی ٹی وی کے ذریعے اسلام دشمن طاقتیں شہنوں مارنے کے درپے ہیں۔ امت مسلمہ کے امام کی حیثیت سے اس وقت پاکستان کو ایک محاذ پر یہودیوں کی دشمنی کی سامنا ہے جبکہ دوسری طرف مشرقی محاذ پر بھارت جیسا دشمن موجود ہے۔ یہ صورتحال بعینہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد ابتدائی مدنی دور سے مشابہ ہے جبکہ حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ اور یہودیوں کی دوہری دشمنی کا سامنا تھا۔ جس کی طرف سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ میں واضح اشارہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت میں دو طبقات سب سے بڑھ کر ہیں، یعنی یہود اور مشرکین۔ حضور اکرم ﷺ نے جس طرح اپنی معاملہ فہمی اور اعلیٰ فراست کا ثبوت دیتے ہوئے ان مشکل حالات میں صلح حدیبیہ کے ذریعے مشرکین کے ساتھ وقتی طور پر مصالحت کر لی تھی اور پھر آپ نے پوری قوت کے ساتھ خیبر پر فوج کشی کی اور یہود کی قوت کو پچل کر رکھ دیا، یہ سب کچھ صلح حدیبیہ کے بعد ممکن ہوا۔ حالانکہ اس صلح کے لئے آپ کے جان نثاروں میں سے کوئی بھی دلی طور پر رضامند نہ تھا، کیونکہ یہ صلح بظاہر ہرب کر کی گئی تھی، لیکن قرآن نے اسے فتح مبین اسی لئے قرار دیا کہ اس کے ذریعے یہود کا قلع قمع ممکن ہوا اور یوں فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔"

غور ہو سکتا ہے کہ صرف وادی کی حد تک استصواب کرایا جائے اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہماری اقتصادی بد حالی کی بڑی وجہ مسئلہ کشمیر ہے جسے اب ہر حال میں حل ہونا چاہئے اور ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجود تناؤ ختم ہو اور انہماق و تقسیم کی فضا پیدا ہو۔

امیر تنظیم اسلامی نے چیف ایگزیکٹو کی منتخب ضلعی انتظامیہ کی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملک میں صدارتی نظام چھوٹے صوبے اور امریکی طرز کے کاؤنٹی لیول پر اختیارات کی تقسیم پر مبنی نظام رائج کر دیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل کا ازالہ ہو سکتا ہے اور پرویز مشرف صاحب کی یہ سکیم نافذ ہو گئی تو اس کے بہت مثبت نتائج ظاہر ہوں گے۔ انہوں نے افغانستان میں وزراء کو نسل کے سربراہ ملا رہائی کے حالیہ دورہ پاکستان کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس دورے سے پاکستان، افغانستان اور ایران پر مشتمل بلاک کی تشکیل کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

۱۱ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا :

”اگر پاکستان پر جنگ مسلط کر دی گئی تو وطن عزیز کا دفاع کرنا مسلح افواج ہی کا نہیں ہر پاکستانی کا دینی و ملی فریضہ ہو گا۔ بھارتی وزیراعظم کے تیور سے لگتا ہے کہ پاکستان کے افق پر جنگ کے بادل چھا چکے ہیں اور تیسری پاک بھارت آل آؤٹ وار کا شدید اندیشہ موجود ہے، کیونکہ واپجانی نے حال ہی میں جالندھر میں جو زہر آلود باتیں کی ہیں وہ کھلم کھلا طبل جنگ بجانے کے مترادف ہے۔ بھارتی وزیراعظم کا صاف الفاظ میں یہ کہہ دینا کہ ہم ۱۹۴۷ء کے بنوارے ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور پاکستان کے خلاف جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک آزاد کشمیر کو بھی واپس نہ لے لیں اور یہ کہ اگر پاکستان نے ایسی قوت کا مظاہرہ کیا تو ہم اس سے بڑھ کر کریں گے، ہندو قوم کے سینوں میں موجزن مسلمان دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واپجانی کا یہ بیان بالخصوص اس موقع پر جبکہ صدر کلشن بھارت کا دورہ کرنے والے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ بھارت اس خطے میں تناؤ کی فضا ختم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ اب کھلی حقیقت ہے کہ امریکہ نے اپنا سارا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے اور وہ چین کے مقابلے میں بھارت کو ایک مٹی سپہاؤر کی حیثیت سے ابھارنا چاہتا ہے، چنانچہ ان حالات میں صدر کلشن نے اگر صرف بھارت کا دورہ کیا اور پاکستان سے بے اعتنائی برتی تو یہ یقیناً بھارتی حکومت کی پالیسیوں کی تائید اور توثیق کے مترادف ہو گا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا اب جبکہ ظاہر ہو گیا ہے کہ بھارت جنگی جنون میں مبتلا ہے اور جس طرح مغرب کی طرف سے مسلم فئڈا مسئلہ کا ہوا کھڑا کر کے پاکستان کو نرغے میں لیا جا رہا ہے تو ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے مسلح افواج کے ساتھ ساتھ پہلے آرمی تیار کرنی چاہئے، جیسا کہ چین اور اسرائیل میں ہر فرد کے لئے ہٹری ٹریننگ لازم ہے۔ کیونکہ



کسی مسلمان ملک پر اگر کوئی غیر مسلم حملہ کر دے تو وہاں کے رہنے والے تمام مسلمانوں پر اس کا دفاع فرض عین ہو جاتا ہے۔

سورۃ انفال کی رو سے ایسے موقع پر پہنچے دکھانا بہت بڑا جرم ہے، لہذا ہمیں پاکستان کے دفاع کے لئے اپنا تین من دھن لگانے کو تیار ہو جانا چاہئے۔ اسی سورہ مبارکہ میں اللہ اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے ساتھ خیانت کرنے سے بچنے اور امانت داری کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ مسلمانان پاکستان کے لئے سب سے بڑی امانت خود یہ سلطنت خدا داد اور اس کی ایسی صلاحیت ہے۔ لہذا ہمیں ان امانتوں کی حفاظت کرنا ہے کجا یہ کہ ہم ایسی صلاحیت کو رول بیک کرنے کے بارے میں سوچیں۔ لیکن بد قسمتی سے ہمارا الیکٹرانک میڈیا ایک ہی راگ الاپ رہا ہے کہ سی ٹی وی پر دستخط کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ حالانکہ امریکی سینٹ نے سی ٹی وی کی توثیق سے صرف اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر مزید تجربات نہ کئے گئے تو امریکہ اپنی ایسی صلاحیت کو اپ ڈیٹ نہیں کر سکے گا۔ لہذا حکومت کو چاہئے کہ وہ سی ٹی وی پر دستخط کا خیال دل سے نکال دے اور یہاں شرعی قانون سازی اور سودی نظام کے خاتمے کا عمل تیز تر کر دے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یوم بدر کی طرح اللہ ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں قدم قدم پر فتح عطا فرمائے گا۔ اللہ کی اس خصوصی نصرت کا ایک مظاہرہ ہم ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی دیکھ چکے ہیں۔“

۲۵ فروری کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم نے فرمایا :

”امت مسلمہ کا اصل مقابلہ یہود سے ہے، اور پاکستان کو امت مسلمہ کے امام کی حیثیت حاصل ہے، لہذا یہود اور اسرائیل کے مقابلے کے لئے پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے جو ایسی صلاحیت عطا کی ہے وہ دراصل امت مسلمہ کی امانت ہے جس پر سی ٹی وی کے ذریعے اسلام دشمن طاقتیں شیخون مارنے کے درپے ہیں۔ امت مسلمہ کے امام کی حیثیت سے اس وقت پاکستان کو ایک محاذ پر یہودیوں کی دشمنی کی سامنا ہے جبکہ دوسری طرف مشرقی محاذ پر بھارت جیسا دشمن موجود ہے۔ یہ صورتحال بعینہ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد ابتدائی مدنی دور سے مشابہ ہے جبکہ حضور ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ اور یہودیوں کی دوہری دشمنی کا سامنا تھا۔ جس کی طرف سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ میں واضح اشارہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت میں دو طبقات سب سے بڑھ کر ہیں، یعنی یہود اور مشرکین۔ حضور اکرم ﷺ نے جس طرح اپنی معاملہ نمئی اور اعلیٰ فرست کا ثبوت دیتے ہوئے ان مشکل حالات میں صلح حدیبیہ کے ذریعے مشرکین کے ساتھ وقتی طور پر مصالحت کر لی تھی اور پھر آپ نے پوری قوت کے ساتھ خیبر پر فوج کشی کی اور یہود کی قوت کو کچل کر رکھ دیا، یہ سب کچھ صلح حدیبیہ کے بعد ممکن ہوا۔ حالانکہ اس صلح کے لئے آپ کے جان نثاروں میں سے کوئی بھی دلی طور پر رضامند نہ تھا، کیونکہ یہ صلح بظاہر دہر کر کی گئی تھی، لیکن قرآن نے اسے فتح عین میں اسی لئے قرار دیا کہ اس کے ذریعے یہود کا قلع قمع ممکن ہوا اور یوں فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔“

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ آج پاکستان بھی انہی حالات میں گھرا ہوا ہے۔ مشرکین کا نمائندہ اس وقت بھارت ہے جس نے پاکستان کو آج تک ذہنی و نفسیاتی طور پر قبول نہیں کیا اور یہود اس وقت معاشی اور اقتصادی اعتبار سے پوری دنیا کو اور بالخصوص امریکہ کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے ہیں اور ان کا ٹارگٹ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے جسے وہ کسی صورت گوارا کرنے کو تیار نہیں۔ لہذا پاکستان کو کسی ایسی کوشش کی راہ میں رکاوٹ نہیں کھڑی کرنی چاہئے جو پاکستان بھارت دشمنی کے شعلوں کو کم کرنے کا باعث بنے۔ بلکہ بھارت کے ساتھ اگر بظاہر کچھ دب کر صلح کرنی پڑے تو اس سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے اور ہمیں اصل تیاری یہود اور اس کے زیر اثر عیسائی طاقتوں کے خلاف کرنی چاہئے جو عنقریب پورے عالم اسلام کے خلاف محاذ کھولنے اور مشرق وسطیٰ میں خوریزی مچانے کے درپے ہیں۔

چیف ایگزیکٹو نے بلاشبہ یہ درست کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان اصل مسئلہ اور واحد جھگڑا کشمیر کا ہے، باقی مسائل تو معمولی نوعیت کے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے ضمن میں اگر صدر کٹھن کوئی مناسب حل پیش کر سکیں تو اس کو قبول کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی ایک بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے لداخ اور جوں بھارت کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں جبکہ آزاد کشمیر، ایبٹستان اور گلگت پاکستان میں ضم کر دیئے جائیں۔ وادی کشمیر جس پر اگرچہ پاکستان کا حق ہے لیکن بھارتی غوام اسے کبھی بھی پاکستان کے حوالے کرنے پر راضی نہیں ہوں گے لہذا اگر وادی کی حد تک ریفرنڈم کرایا جائے اور وہاں تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قائد اعظم نے ۱۹۴۷ء میں تھرڈ آپشن پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ ان کے یہ بیانات ۱۳/ جون ۱۹۴۷ء اور ۱۸/ جولائی ۱۹۴۷ء کے پاکستان نائٹز میں چھپ چکے ہیں۔ دراصل انگریز خود کشمیر کے مسئلے کو الجھا کر یہاں سے رخصت ہوا تھا تاکہ اس خٹلے میں کبھی امن قائم نہ رہ سکے۔ لہذا دونوں ممالک کو اس سازش کا حصہ بننے کے بجائے اس مسئلے کے حل کی طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ دونوں ممالک کے تمام وسائل اسی میں ضائع ہو رہے ہیں۔ خصوصاً پاکستان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ لہذا اگر ہمیں بھارت سے صلح حدیبیہ کی طرز پر صلح کرنی پڑے تو کر لینی چاہئے۔ اس طرح کم از کم ہزارا مشرقی فرنٹ تو دشمن سے محفوظ ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو قائد اعظم کا وہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو جائے گا جس کے مطابق انہوں نے ایک موقع پر یہ امید ظاہر کی تھی کہ پاک بھارت تعلقات بالکل ایسے ہوں گے جیسے آج کینیڈا اور امریکہ کے درمیان معاملات ہیں۔ پھر ہم اپنے ملک میں نظام خلافت قائم کر کے امت مسلمہ کے سب سے بڑے دشمن یہودیوں سے بھی نبٹ سکیں گے۔“

(نوٹ: ۲۵: فروری کے اس خطاب کو ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں مفصل طور پر شائع کیا جائے گا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ع ”اِک دیا اور بجھا، اور بڑھی تاریکی!“

## مولانا سید ابوالحسن علی ندوی<sup>رح</sup>

○ چند یادیں ○ چند تاثرات

اور ○ ایک خواہش جو حسرت میں تبدیل ہو گئی!

از قلم: اسرار احمد

سن ۱۹۹۹ء عیسوی کے آخری دن جب عیسائی دنیا اپنے عقیدے کے مطابق تیسرے ”ملے نیم“ (MILLENIUM) کے پُر جوش استقبال کی تیاریاں کر رہی تھی، مشرق میں عالم اسلام، بالخصوص سرزمین پاک و ہند کا علم و فضل اور تقویٰ و تدین کا روشن ترین آفتاب غروب ہو گیا۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی الحسینی الندوی اس عالم آب و گل سے اعلیٰ علیین کی جانب رحلت فرما گئے! اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ!!

جیسے ہی ان کے انتقال کی اطلاع ہوئی ایک حسرت آمیز کتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور ان سے لگ بھگ ساڑھے سینتیس سال قبل جو پہلی ملاقات حجاز مقدس میں ہوئی تھی اس سے شروع ہو کر بعد کی ملاقاتوں اور صحبتوں کی یاد ایک فلم کی صورت میں شعور کے پردہ سکرین پر چلنے لگی۔ چنانچہ بہت سی بھولی بھری یادیں بھی تازہ ہوئیں، اور بہت سے تاثرات بھی قلب کی گہرائیوں سے ابھرے، اور سب سے بڑھ کر ایک خواہش بھی حسرت بھری ہوک کی صورت اختیار کر گئی۔

مجھ سے سرسری سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ اگرچہ ہائی سکول کے آخری دو سالوں کا ”نیم شعوری“ دور تو علامہ اقبال کی ملی شاعری کے زیر اثر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے فعال کارکن کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے ساتھ گہری قلبی و

عملی وابستگی میں گزارا تھا، تاہم واقعہ یہ ہے کہ میں نے ”شعور کی آنکھ“ تحریکِ جماعتِ اسلامی کی گود میں کھولی تھی۔ اور ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۷ء پورے دس برس اس تحریک کے سائے میں، اولاً اسلامی جمعیت طلبہ اور پھر جماعتِ اسلامی کے ساتھ، فعال وابستگی کی صورت میں بسر کئے تھے۔ اُس زمانے میں جماعتِ اسلامی کے قیام (۱۹۴۱ء) کے تقریباً فوراً ہی بعد (۱۹۴۳ء میں) جو خلفشار رونما ہوا تھا جس کے نتیجے میں تقریباً ایک تہائی ارکان نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، اس کے ضمن میں ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کا اصل سبب کیا تھا۔ لیکن اس کا کوئی جواب اس لئے دستیاب نہیں ہوتا تھا کہ علیحدہ ہونے والے حضرات نے نہ صرف یہ کہ خود اس معاملے میں کامل سکوت اختیار کیا تھا، بلکہ مولانا مودودی مرحوم کو بھی پابند کر دیا تھا کہ وہ اس معاملے کو عام نہ کریں۔ ان حضرات میں بعض دیگر اہم حضرات کے ناموں کے علاوہ دو نام بہت نمایاں تھے، ایک مولانا محمد منظور نعمانی کا اور دوسرا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عرف مولانا علی میاں کا۔ اور چونکہ یہ دونوں حضرات ہندوستان کے اُس وقت کے دینی اور علمی حلقوں میں معروف بھی تھے اور محترم بھی، لہذا یہ حسرت بھری خواہش دس سال کے اس پورے عرصے کے دوران دل میں موجود رہی کہ کاش کہ یہ حضرات جماعت سے علیحدہ نہ ہوئے ہوتے!

۱۹۵۷-۱۹۵۶ء کے دوران جو دوسرا اور عظیم تر خلفشار جماعت میں رونما ہوا اور اس کے نتیجے میں بہت سے دوسرے حضرات کے ساتھ میں بھی اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدہ ہو گیا تو ایک بار پھر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ معلوم کیا جائے کہ ۱۹۴۳ء میں علیحدگی اختیار کرنے والوں کے وجوہ علیحدگی کیا تھے۔ تاہم اس کا کوئی ذریعہ دستیاب نہ تھا۔ (اگرچہ بعد میں مولانا نعمانیؒ نے واقعاتی پیرائے میں، اور مولانا علی میاںؒ نے نظریاتی انداز میں اپنے اختلافات کا اظہار کیا، لیکن یہ کافی بعد کی بات ہے!)

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ منگمری (حالیہ ساہیوال) میں جہاں میں ان دنوں مقیم تھا ایک عجیب مجمع البحار قسم کی شخصیت ڈاکٹر ثناء اللہ مرحوم کی صورت میں وارد ہوئی۔ یہ صاحب ایک جانب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، دوسری جانب ہسٹری میں لندن سے پی ایچ ڈی کئے ہوئے تھے، تیسری جانب سیاست میں بھی عمل دخل رکھتے تھے

اور اس وقت کے مشرقی پاکستان کے ضلع چٹاگانگ کی ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین رہے تھے۔ اب یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کو وہ کونسے حالات پیش آئے کہ انہیں سرکاری ملازمت اختیار کرنی پڑی۔۔۔ بہر حال وہ ساہیوال میں ڈی آر سی یعنی محکمہ بحالیات میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ ان کا بہت گہرا اور فعال تعلق تبلیغی جماعت کے ساتھ تھا، اور ان کی آمد سے ساہیوال میں دفعتاً تبلیغی جماعت کے حلقے میں بہت حرکت اور چہل پھل پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ جن جن لوگوں کے بحالیات کے سلسلے کے مقدمات ان کے زیر سماعت ہوتے تھے وہ سب ان کے آگے پیچھے رہتے تھے اور ”سہ روزہ“ تو ان میں سے اکثر ہی لگا لیتے تھے، بعض ”چلے“ بھی لگاتے رہے۔۔۔ انہیں کچھ لوگوں سے میرے بارے میں معلوم ہوا کہ ایک فعال نوجوان جس کے درس قرآن کو بہت مقبولیت حاصل ہے، حال ہی میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا ہے۔۔۔ چنانچہ کچھ تو انہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور کچھ خود میں بھی جماعت کے بغیر زندگی گزارنے کے خطرات سے آگاہ ہونے کی بنا پر کسی جماعتی سلسلے میں منسلک ہونا چاہتا تھا۔۔۔ بنا بریں لگ بھگ دو سال میں نے تبلیغی جماعت کے سائے میں بسر کئے اور اس عرصے میں ”سہ روزے“ تو کئی لگائے لیکن ”چلے“ کی نوبت نہیں آئی۔ اس زمانے میں کئی بار ڈاکٹر ثناء اللہ مرحوم نے مولانا نعمانیؒ اور علی میاںؒ کا نام لے کر کہا کہ: ”ہم لوگ انہیں پوری طرح اپنا آدمی نہیں سمجھتے، بلکہ ”بھیمٹی بھیمٹی“ (فٹی فٹی) سمجھتے ہیں، یعنی وہ پچاس فیصد تبلیغی جماعت میں ہیں تو پچاس فیصد ابھی تک جماعت اسلامی میں ہی ہیں!“ (یہی بات کسی صحافی نے بعد میں اس طرح بیان کی کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں ان کی اکثریت کا حال یہ رہتا ہے کہ وہ تو جماعت سے نکل جاتے ہیں لیکن جماعت ان کے اندر سے نہیں نکلتی!) بہر حال اس سے ان دونوں حضرات سے ملاقات اور گفتگو کی خواہش نے بہت شدت اختیار کر لی۔۔۔ لیکن ظاہر ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین ”فاصلے“ زمینی طور پر بہت کم ہونے کے باوجود عملاً بہت زیادہ رہے ہیں اور بھارت کا سفر ”صبح کرنا شام کالا نا ہے جوئے شیر کا!“ کا مصداق کامل رہا ہے، لہذا یہ خواہش بس دل ہی دل میں پروان چڑھتی رہی!

۱۹۶۲ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی تو مولانا علی میاں کی ملاقات کا یہ گوہر مقصود ہاتھ آ گیا — ہو ایہ کہ میں اپنے والدین مرحومین کی معیت میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا کہ ایک روز اچانک حرم میں مولانا محمد داؤد غزنویؒ سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ ”سعودی حکومت نے ”رابطہ عالم اسلامی“ کی تاسیس کے لئے ایک خاص اجلاس طلب کیا ہے جس میں پاکستان سے میں (یعنی مولانا داؤد غزنویؒ) اور مولانا مودودیؒ مدعو ہیں — چنانچہ مولانا بھی تشریف لایچکے ہیں۔“ انہوں نے مزید فرمایا کہ ”مولانا مودودی کے ساتھ تو ان کے سیکرٹری کے طور پر خلیل حامدی صاحب آئے ہیں، میرے ساتھ سیکرٹری کوئی نہیں ہے، تم میرے سیکرٹری بن کر اجلاس میں شریک ہو سکتے ہو!“ — میرا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس ضمن میں ”اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں!“ والا ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے برو چشم قبول کیا اور اس طرح رابطے کے تاسیسی اجلاس کی پوری کارروائی کا ہجتم سر مشاہدہ کیا۔

اس کانفرنس کا افتتاحی اجلاس تو ”قصر الملک“ میں ہوا جہاں شاہ سعود بن عبدالعزیز نے نہایت ولولہ انگیز خطاب فرمایا — اور مندوبین میں سے تقریباً نصف کے ساتھ مصافحہ بھی کیا (اس کے بعد غالباً وہ تھک گئے تھے، چنانچہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کر دیا۔ اور مصافحہ کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔) — لیکن پہلی ”بزنس میٹنگ“ مفتی اعظم ابراہیم بن محمد کی صدارت میں ہوئی۔ وہاں کسی بات پر حاضرین نے تالی بجا دی تو مفتی صاحب شدید ناراض ہوئے کہ ہمارا شعار سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے کا ہے، تالی بجانا اہل مغرب کی تہذیب ہے — اور پھر انہوں نے اجلاس کی صدارت بطور نائب مولانا علی میاں کے سپرد کر دی اور خود رخصت ہو گئے۔ چنانچہ بعد کے تمام اجلاس مولانا علی میاں جی کی صدارت میں ہوئے — جس سے مجھے انہیں نہایت قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کے اندر جھانکنے کا بھرپور موقع ملا۔ چنانچہ مجھے ایک واقعہ تو بھول ہی نہیں سکتا — ہو ایوں کہ جیسے کہ بعد میں معلوم ہوا ”رابطہ عالم اسلامی“ دراصل ڈاکٹر سعید رمضان مرحوم کے ذہن کی پیداوار (BRAIN CHILD) تھا — چنانچہ وہ ان مجالس میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے — ڈاکٹر صاحب موصوف (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) شیخ حسن البنا شہید کے داماد اور الاخوان المسلمون کے اہم قائدین میں سے تھے — اور

اُس وقت جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تو ایک موقع پر کسی مندوب نے مولانا علی میاں سے یہ سوال کر لیا کہ ڈاکٹر سعید رمضان یہاں کس حیثیت میں (یعنی کس ملک کے نمائندے کے طور پر) شریک ہیں؟۔ اس پر ڈاکٹر سعید رمضان کے توپسنے چھوٹ گئے۔ لیکن مولانا علی میاں نے یہ کہہ کر انہیں سہارا دیا کہ ”انہیں میں نے اپنی سمولت کے لئے یہ خدمت سپرد کی ہے!“

مکہ مکرمہ میں مولانا علی میاں کا قیام فندق مصر میں تھا (جو اُس وقت مکہ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شاندار ہوٹل تھا!)۔ چنانچہ میں وہاں مسلسل حاضر ہو کر مولانا کے نیاز حاصل کرتا رہا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ مولانا مودودیؒ بھی اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ میں نے خود تو ان سے بھی متعدد ملاقاتیں کیں لیکن میرا عام مشاہدہ یہ تھا کہ مولانا سے اُس وقت تک اہل عرب کم ہی واقف تھے۔ چنانچہ بسا اوقات وہ ہوٹل کی لابی میں بالکل تنہا بیٹھے بھی نظر آتے تھے، جبکہ مولانا علی میاں کے گرد ہر وقت لوگوں کا جگھٹا رہتا تھا۔ اور جو شخص بھی داخل ہوتا تھا ہوٹل کے عملے سے یہی سوال کرتا تھا: ”این الاستاذ الندوی؟“۔ یعنی مولانا ندوی کہاں ہیں؟

ط ”خدا را آں کرم بارے دگر کن!“ کے مصداق اللہ کا کرم یہ ہوا کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو مولانا مودودیؒ اور مولانا علی میاںؒ دونوں بھی وہیں مقیم تھے۔ مولانا مودودیؒ تو ایک ہوٹل میں مقیم تھے، لیکن مولانا علی میاںؒ نے ہوٹل کی بجائے مدینہ منورہ کے مضافات میں اپنے ایک عرب دوست کے مکان پر قیام کو ترجیح دی تھی۔ چنانچہ میں نے مولانا مودودیؒ سے بھی متعدد بار ہوٹل میں ملاقات کی، اس لئے کہ مولانا اپنی علالت طبع کے باعث نمازیں اکثر ہوٹل ہی میں ادا کرتے تھے۔ لیکن مولانا علی میاںؒ سے مسجد نبوی میں کثرت سے صحبت رہی۔ یہاں تک کہ میں ایک بار ان کی قیام گاہ پر بھی ان کے ہمراہ پیدل گیا (اگرچہ فاصلہ خاصا تھا!)۔ وہ اصلاً ایک نخلستان تھا جس میں رہائش بھی تھی، کتواں بھی تھا اور تالاب بھی، گویا پورا دیہاتی ماحول تھا۔ مولانا نے فرمایا مجھے ہوٹلوں میں قیام سے وحشت ہوتی ہے۔ بہر حال میں اپنے پورے قیام مدینہ کے دوران پوری پابندی کے ساتھ نماز عصر سے عشاء تک کا وقت مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں مولانا علی میاں کی صحبت میں گزارتا تھا۔ مولانا کا مستقل معمول یہ تھا کہ مغرب کی نماز

کے بعد پہلے نصف پارہ مصحف میں دیکھ کر تلاوت فرماتے تھے، پھر چھ رکعت نماز میں اسے دہراتے تھے اور میں اس دوران ان کے قرب سے فیض یاب ہوتا رہتا تھا۔ اس سے جو اثر میرے قلب پر مرتب ہوتا تھا وہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ مجھے مولانا کی شخصیت کے گرد ایک نورانی ہالہ فی الواقع نظر آتا تھا۔ اور ان کے وجود میں سے نیکی اور تقویٰ کی کرنیں پھوٹی محسوس ہوتی تھیں۔ اور شاید یہ اسی روحانی رعب اور ہیبت کا نتیجہ تھا کہ میں مولانا سے وہ سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا کہ آپ نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کیوں اختیار کی تھی؟۔۔۔ صرف ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جی کڑا کر کے مولانا سے اقامتِ دین کی جدوجہد کے بارے میں سوال کیا تو اس کا یہ مختصر جواب مجھے ملا کہ: ”اقامتِ دین کا مفہوم صرف وہی نہیں ہے جو مولانا مودودی لیتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے!“۔۔۔ اس سے زیادہ بحث و تہیج کی ظاہر ہے کہ کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔۔۔ البتہ میں نے ان ہی دنوں ساہیوال میں جو ”قرآنی دارالافتاء“ قائم کیا تھا (جس میں کالج میں زیر تعلیم طلبہ کو رہائش فراہم کر کے انہیں عربی زبان اور قرآن حکیم کی تعلیم دی جاتی تھی!) اس کے ضمن میں تذکرہ کیا اور اس کی کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس تجویز کو بہت پسند کیا بلکہ اس کے لئے دعا کا بھی پختہ وعدہ فرمایا!۔۔۔

اس کے بعد تقریباً پندرہ سال اس کیفیت میں گزرے کہ کوئی بالمشافہ ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن عائشانہ تعارف بڑھتا چلا گیا۔ اس لئے کہ اسی عرصے کے دوران (۱۹۶۵ء میں) میں لاہور منتقل ہوا۔ ۱۹۶۶ء سے ”میشاق“ کی ادارت سنبھالی اور دیگر مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا، جن میں اولین تھی میری تالیف ”تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ“ جس میں میں نے جماعت اسلامی پاکستان کی پالیسی سے اپنے اختلافات کو تفصیلاً بیان کیا تھا اور جس پر تائید اور تحسین کے خطوط مولانا محمد منظور نعمانی اور ان کے صاحبزادے عتیق الرحمن سنبھلی کی جانب سے آچکے تھے۔ اگرچہ مولانا علی میاں کا کوئی تبصرہ موصول نہیں ہوا، بہر حال یہ چیزیں مسلسل ندوۃ العلماء لکھنؤ جاتی رہیں۔ ادھر وہاں سے بھی مطبوعات اور مجلات آتے رہے۔۔۔ اسی دوران میں میرے کتابچے



”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ کا عربی ترجمہ ”ماذا يجب على المسلمين تجاه القرآن“ کے نام سے (جو برادر م ڈاکٹر صیب حسن صاحب نے کیا تھا) پانچ اقساط میں ندوہ کے عربی مجلہ ”البعث الاسلامی“ میں شائع ہوا۔ اور ۱۹۷۷ء کے اوائل میں وہ واقعہ بھی پیش آیا جس کی اطلاع مجھے مدینہ منورہ سے مولانا عبد الملک جامعی مرحوم نے دی۔ یعنی یہ کہ جب مولانا علی میاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ انہوں نے ”میثاق“ بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں شائع شدہ میری تحریر پڑھی ہے یا نہیں، جس میں میں نے بر عظیم پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اوخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں جو تفاسیر قرآن شائع ہوئیں ان کا تنقیدی جائزہ لیا تھا اور تین مختلف مکاتب فکر کی نشاندہی کی تھی۔ اور جب مولانا علی میاں نے فرمایا کہ یہ تحریر ان کی نظر سے نہیں گزری تو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا: ”یہ پرچہ لے جاؤ اور اسے ضرور پڑھو۔ لیکن دیکھنا پڑھ کر مجھے واپس کر دینا!“ (مولانا جامعی مرحوم مدینہ منورہ میں مدارس قرآن کے مراقب و مفتش تھے اور ان کا خط میری تالیف ”دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر“ میں صفحہ ۱۴۸ پر درج ہے۔)۔

یہیے بعد میں ان سے کئی بار ملاقات بھی ہوئی اور تفصیلی گفتگوؤں کا بھی موقع ملا۔

بہر حال اس پس منظر میں مولانا علی میاں سے دوسری بالمشافہ ملاقات اوائل ۱۹۷۷ء میں ہوئی جب انہیں اسلام آباد صدر ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر ان سے ملاقات کے لئے جاتے ہوئے پروازوں کے نظام میں گڑبڑ کے باعث تین چار گھنٹے لاہور کے ہوائی مستقر پر ٹھہرنا پڑا۔ اس موقع پر مولانا نے یہ کرم فرمایا کہ مجھے فون کرادیا۔ چنانچہ میں بھاگ بھاگ ایئرپورٹ پہنچا اور مولانا کو ان کے جملہ ہمراہیوں سمیت قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لے آیا۔ جس کی تعمیر ابھی ابتدائی مراحل میں تھی۔ اس موقع پر ایک تو جیسے ہی مولانا نے مجھے دیکھا تو یہ کہہ کر کہ شدید شرمندہ کر دیا کہ: ”اچھا! تو ”بسطة فی العلم“ کے ساتھ ساتھ ”بسطة فی الجسم“ بھی ہو گیا ہے!“۔ (اس لئے کہ ۱۹۷۲ء تک تو میرا جسم بالکل اکرا تھا۔ لیکن اس عرصے میں واقعتاً ”دہرا“ ہو گیا تھا!)۔ دوسرے قرآن اکیڈمی کے منصوبے کی تہہ دل سے تعریف کی۔ اور وعدہ کیا کہ آئندہ کسی آمد کے موقع پر باقاعدہ تشریف لا کر خطاب فرمائیں گے۔ اس ملاقات کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس

”آمد غیر مترقبہ“ پر ظاہر ہے کہ تواضع کا کوئی اہتمام تو ہو ہی نہیں سکتا تھا — صرف اصل لغوی معنی میں ”ما حاضر“ ہی پیش کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ خوب یاد ہے کہ اُس وقت موگ کی دال کی کھجڑی ہی ”حاضر“ تھی جسے مولانا نے نہایت ذوق و شوق سے تناول فرمایا — اور میری دلجوئی یہ کہہ کر کی کہ ”مجھے کھجڑی بہت مرغوب ہے!“

قرآن اکیڈمی لاہور میں حضرت مولانا کا یہ ”ورود موعود“ جولائی ۱۹۷۸ء میں ہوا — اس موقع پر مولانا نے پاکستان کا بہت مفصل دورہ کیا تھا اور کراچی، لاہور، اسلام آباد، پشاور اور فیصل آباد بہت سے مقامات پر مدارس و جامعات اور دیگر اجتماعات سے خطاب فرمایا تھا۔ چنانچہ قرآن اکیڈمی لاہور میں ان کا ورود مسعود ۲۶ جولائی کو ہوا۔ — اس موقع پر میرے علم میں یہ بات آئی کہ لاہور میں مولانا کے اصل میزبان چونکہ تبلیغی جماعت کے حلقے سے متعلق تھے — اور انہیں نہ صرف مجھ سے بلکہ حاجی عبد الواحد صاحب مزاجی بعد تھا۔ (یادش بخیر! حاجی عبد الواحد صاحب ایک زمانے تک تبلیغی جماعت میں بہت فعال طریقے پر شامل رہے تھے لیکن پھر کچھ اختلافات کی بنا پر علیحدہ ہو گئے تھے — اور مولانا علی میاں سے ان کا خصوصی تعلق یہ تھا کہ وہ ایک سال ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مقیم رہے تھے اور اس عرصے کے دوران انہوں نے علی میاں سے عربی سیکھی تھی اور علی میاں نے ان سے انگریزی پڑھی تھی!) — لہذا میرے ادارے میں آنے کے لئے مولانا کو ان حضرات کی ناراضگی مول لینی پڑی تھی — بہر حال مولانا تشریف لے آئے — اور انہوں نے ”جامع القرآن“ (یعنی قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد) کے BASEMENT میں خطاب فرمایا جو کچھ کھج بھرا ہوا تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت تک صرف اس میسمنٹ ہی کی تعمیر ہوئی تھی — دو منزلہ مسجد کی تعمیر بعد میں مکمل ہوئی — مولانا کا یہ خطاب اس مجموعے میں شامل ہے (صفحات ۱۳۶ تا ۱۵۷) جو مجلس نشریات اسلام، کراچی نے مولانا کے سفر پاکستان کے دوران کی گئی تمام تقاریر پر مشتمل ”حدیث پاکستان“ کے عنوان سے شائع کیا تھا! — متذکرہ بالا سب ہی کی بنیاد پر حاجی عبد الواحد صاحب سے بھی مولانا علی میاں کی ملاقات میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ جب اپنے قیام لاہور کے آخری دن مولانا حاجی صاحب کے مکان پر تشریف

لے گئے تو انہوں نے میری موجودگی میں مولانا سے خاصے تلخ انداز میں شکوہ کیا کہ: ”علی میاں! خط میں تو آپ نے لکھا تھا کہ پاکستان آمد سے آپ کی دلچسپی صرف مجھ سے ملاقات کے لئے ہے! لیکن بالفعل آپ نے اتنا انتظار کرایا!“ — جس پر حضرت مولانا نے ایک سعادتمند ”خورد“ کی حیثیت سے کامل سکوت اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ عمر میں حاجی صاحب مولانا علی میاں سے کافی بڑے تھے۔ بہر حال اس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ”اے“ ”ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں!“ کے مصداق ابھی مشرقی تہذیب و آداب کے نمونے ہمارے مابین موجود ہیں!

۲۶ جولائی ۷۸ء کو قرآن اکیڈمی کے اجتماع میں مولانا علی میاں نے جو خطاب فرمایا تھا وہ تو متذکرہ بالا کتاب ”حدیث پاکستان“ سے اخذ کر کے اسی شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے — البتہ مولانا کے خطاب سے قبل جو ”خیر مقدمی“ کلمات میں نے عرض کئے تھے اور جو ”میتاق“ بابت ستمبر اکتوبر ۷۸ء میں شائع ہو گئے تھے وہ درج ذیل ہیں:

”میں انتہائی مسرت اور خوشی کے ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر

اہتمام قائم ہونے والی اس قرآن اکیڈمی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا خیر

مقدم کرتا ہوں — ایسے مواقع پر استقبالی کلمات میں عام طور پر دو باتیں شامل

ہوتی ہیں: ایک مہمان گرامی کا تعارف اور ان کے محامد و اوصاف کا ذکر اور

دوسرے اس ادارے کا تعارف جہاں مہمان عزیز کا ورود مہمانت لزوم ہوتا ہے

— لیکن آج کی یہ مجلس ایک عجیب اشتہائی شان کی حامل ہے کہ یہاں مہمان اور

ادارہ دونوں کا تعارف بالکل بے محل ہے۔ مہمان کا اس لئے کہ بجز اللہ و بفظم مولانا

علی میاں اب سے بہت پہلے اس منزل سے گزر چکے ہیں جہاں ان کی ذات کسی

تعارف کی محتاج ہوتی اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے اب شہرت و مقبولیت کے اس

مرتبہ و مقام پر فائز ہیں کہ کسی محفل یا مجلس میں ان کا تعارف کرانے کی کوشش ان

کی توہین پر محمول کی جاسکتی ہے۔ اور ادارے کا اس لئے کہ ابھی یہ اس قابل ہی

نہیں کہ اس کا تعارف کرایا جاسکے۔ اور اگرچہ پیش نظر نقشے کے اعتبار سے تعمیر کا

پروگرام نصف سے زائد مکمل ہو چکا ہے اور بہت سی اینٹیں اوپر تلے رکھی جا چکی

ہیں اور لوہے، بجری اور سینٹ پر مشتمل اچھا بھلا خوش منظر و خوش ہیئت انبار وجود

میں آچکا ہے، تاہم اصل مقصد کے اعتبار سے اس کی حیثیت تاحال ”خواب و خیال“ سے زیادہ نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ: ”ع“ ”گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ!“ اس لئے کہ یہی خواب تھا جو اس صدی کے بالکل آغاز میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ”دارالارشاد“ کی صورت میں دیکھا تھا۔۔۔۔۔ پھر یہی خواب لگ بھگ تیس سال بعد امت کے ایک اور رجل عظیم اور بطل جلیل علامہ اقبال مرحوم نے دیکھا جس کے نتیجے میں ”دارالاسلام“ کے نام سے ایک ادارہ بھی وجود میں آیا اور کچھ عمارتیں بھی عالم واقعہ میں ظہور میں آگئیں، لیکن جس مقصد کے لئے وہ قائم ہوا تھا بوجہ اس کا آغاز بھی نہ ہو سکا۔ اگرچہ یہ سعادت اس کے حصے میں ضرور آگئی کہ برصغیر ہندوپاک کی ایک عظیم اسلامی تحریک کا ابتدائی گوارہ بن گیا۔۔۔ اس کے ٹھیک تیس ہی سال بعد ۱۹۶۷ء میں یہ خواب امت کے ایک ناکارہ و ناتواں فرد نے پھر دیکھا اور اس بار اس کا نام ”قرآن اکیڈمی“ تجویز ہوا۔ لیکن عالم واقعہ میں اس بندۂ عاجز و ناکارہ کی اس گیارہ سال کی محنت و مشقت کا حاصل تاحال بس یہی کچھ ہے کہ کچھ دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں اور ان کو چھتوں نے ڈھانپ بھی لیا ہے۔ رہا اصل مقصد، تو اس کی جانب صحیح معنوں میں پیش قدمی کا آغاز بھی نہیں ہوا۔“

اس کے بعد راقم نے ”قرآن اکیڈمی“ کے مقاصد، دورِ حاضر کے فکری رجحانات، مغربی تہذیب کے عالمگیر تسلط و استیلاء اور اس پس منظر میں اعلیٰ ترین علمی و فکری سطح پر دعوتِ ایمان کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے اجمالاً بیان کئے اور اس ضمن میں خود مولانا علی میاں کی تالیف لطیف کا حوالہ بھی دیا اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تصانیف کا بھی، اور امید تھی کہ مولانا اس موضوع پر کچھ ارشاد فرمائیں گے۔ لیکن افسوس کہ بوجہ مولانا نے اپنی تقریر میں ادھر التفات نہیں فرمایا، اگرچہ دو سری بہت سی قیمتی اور قابل قدر باتیں ارشاد فرمائیں۔

(جاری ہے!)

# قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا علی میاں کا وہ خصوصی خطاب جو انہوں نے ۲۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کی زیر تعمیر عمارت میں ارشاد فرمایا تھا۔ مولانا جولائی ۷۸ء میں پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے اور امیر تنظیم اسلامی کی خواہش پر قرآن اکیڈمی میں ان کا خطاب ہوا۔ سامعین کی اکثریت اہل علم حضرات پر مشتمل تھی۔ (ادارہ)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ  
 أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ  
 فَلَا هَادِيَ لَهُ نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ  
 مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ  
 وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ  
 اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ  
 مَنْ يُنِيبُ

## قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے

برادرانِ عزیز! قرآن مجید کے معجزات میں سے، جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، یہ بھی ہے کہ وہ ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے۔ مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ میں کسی تقریر کے موقع پر یہ طے نہ کر سکا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں گا اور مجھے آج کیا کہنا ہے اور قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے سننے سے پہلے وہ آیتیں مجھے سنائی جا رہی ہیں اور ان آیتوں کا انتخاب میرے لئے کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے غیر ملکی دوروں میں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ دن بھر کی

مصرفیتوں اور نقل و حرکت میں اس پر غور کرنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کس موضوع پر تقریر ہوگی۔ کہیں تو موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ تو میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ وقت پر رہنمائی فرمائے گا، چونکہ جو چیز اس کی طرف سے آتی ہے اس کو عارفین ”وارد“ کہتے ہیں، یعنی ایک عزیز مہمان جس کا ورود ہوا ہے، اس میں اپنے ارادہ اور انتخاب کو کوئی دخل نہیں، اس موقع پر بھی یہی پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیز قاری کو کہ جو انہوں نے آیتیں پڑھیں اس میں ہماری رہنمائی ہوئی۔ قبل اس کے کہ میں آیت کی تشریح میں کچھ عرض کروں اور قرآن مجید کے طالب علموں کے سامنے اپنے کچھ تجربے، کچھ مشورے پیش کروں کہ حقیقت میں وہی میرے مخاطب ہیں، کچھ اپنی حقیر ذات اور علمی سفر کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

### قرآن مجید کی حکمت دعوت

ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبی سے میرا تعارف بھی کرایا، لیکن میں کس قدر تعارف ضروری سمجھتا ہوں اور سنت یوسفی کے مطابق یہ فرض بھی خود ہی انجام دیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تعبیر پوچھنے والے گئے تو انہوں نے فرمایا **ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ**۔ سب سے پہلے سامعین کو یا جو کوئی استفسار لے کر جائے اس کو اس اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس گئے ہیں اس سے کچھ مدد بھی مل سکتی ہے یا نہیں، انتخاب میں انہوں نے کچھ غلطی تو نہیں کی، تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ کہہ دیں **ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ** ﴿۱۰﴾

یہ نبی کا کلام تھا اور اس میں ایک طرح کی خود ستائی کی بو تھی، اس میں اپنی تعریف کی بو نکلتی تھی اور یہ وہم ہو سکتا تھا، اس لئے انہوں نے فوراً فرمادیا کہ **ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ** میں تمہاری اس موقع پر مدد تو کر سکتا ہوں، مجھے اللہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے، لیکن یہ علم کیوں عطا کیا ہے، **اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** یہ میری ذہانت کا نتیجہ نہیں ہے، میری نجابت کا بھی یہ نتیجہ نہیں، حالانکہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور بدرجہ کمال و جمال، لیکن انہوں نے فرمایا **اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ** اس علم کا افاضہ اس لئے ہوا کہ میں نے اس قوم کی ملت چھوڑ دی جو اللہ پر

ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کی منکر تھی ”وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ابْرَهِيمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ“ اور اس کے بعد انہوں نے وہیں سے توحید کے وعظ کا مدخل پیدا کر لیا، عزیزو! تم جس کو بڑا مسئلہ سمجھ رہے ہو اور جو مشکل تم کو یہاں لے کر آئی ہے اس سے بڑی مشکل درپیش ہے، وہ ہے عقیدہ۔ یہ خواب جو تم نے دیکھا، خواب تو خواب ہی ہوتا ہے، لیکن معاملہ بیداری کا ہے، معاملہ زندگی کے مستقبل کا ہے، معاملہ ابدی اور دائمی زندگی کا ہے۔۔۔ مان لو تم کو خواب کی تعبیر دینے والا دنیا میں کوئی بھی نہ ملے تب بھی کوئی بڑا نقصان نہیں، لیکن اس خواب، ہستی کی تعبیر دینے والا اگر کوئی نہ ملا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ کائنات کا فاطر و خالق کون ہے؟ اگر اس کی صحیح معرفت نہ ملی تو اصل خطرہ یہ ہے۔ پھر انہوں نے اتنا ہی dose دیا جتنا dose دینا چاہئے تھا کہ یہ غرض لے کر آئے ہیں، ان کو ایک ذہنی پریشانی ہے، یہ اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کو ایک یا دو گھنٹے تبلیغ کروں، اس لئے انہوں نے بالکل صحیح احساس تناسب کے ساتھ، جو ایک حاذق طبیب رکھتا ہے اور ایک داعی حکیم رکھتا ہے، ایک ملہم رکھتا ہے، اتنا ہی ڈوز دیا جتنے ڈوز کے وہ متحمل تھے۔

### دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے

آپ اس تناسب کو دیکھئے، اس میں جمال یوسفی پورے طور پر عیاں ہے۔ اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی، ناپ تول کر جہاں رک جانا چاہئے وہاں رک گئے، یعنی توحید کی پوری بات کہی، لیکن اس کو اتنا دراز نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ کہنے لگتے کہ آپ اگر خواب کی تعبیر دے سکتے ہیں تو دیجئے، ورنہ ہم فرصت سے آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے دل و دماغ کا دروازہ کھلا ہے، اور دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے، قسمت سے کھلتا ہے، کبھی کسی غرض سے کھلتا ہے، کبھی کسی پریشانی سے کھلتا ہے، اس دروازہ سے جو اصل پیغام ہے وہ داخل کر دینا چاہئے، لیکن وہ پیغام اس سبک روی کے ساتھ داخل ہو کہ وہ دروازے بند نہ ہو جائیں اور احتجاجاً بند نہ ہو جائیں۔ میں تو حیران رہ جاتا ہوں، اور افسوس ہے کہ یہ پورا حصہ بائبل سے حذف ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کس کی تصنیف ہے اور قرآن کس کا نازل کیا ہوا ہے، ان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ کتنی بات کے متحمل ہو سکتے ہیں، اتنی ہی بات انہوں نے کہی۔ مریض چاہتا ہے کہ اس کو اس کے درد کا مدوا جلد مل جائے تو انہوں نے کہا قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ طَعَامٌ تَرَوْنَ قَائِمًا یعنی تمہارا راشن جو

مقرر ہے اس کے آنے سے پہلے تعبیر دے دوں گا۔ مخاطب کو یہی دو اطمینان چاہئیں، اس کی دوا مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور جلد ملتی ہے یا نہیں؟ اس درمیان میں توحید کا وعظ کہہ دیا۔

### مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز

میں اپنا تھوڑا سا تعارف کرانا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں قرآن شریف کا ایک حقیر اور ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میری علمی زندگی قرآن مجید ہی کے مطالعہ سے شروع ہوئی۔ میں نے کئی جگہ لکھا ہے کہ مجھے اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا جس کو ذوقِ ایمانی اور ذوقِ قرآنی ملا تھا۔<sup>(۱)</sup> وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ پہلا نقش جو مجھ پر پڑا وہ ان کی آواز کا، جو درد میں ڈوبی ہوتی تھی، یہ میری خوش نصیبی تھی، اور قرآن مجید کا اصل مزاج بھی یہی ہے۔

### قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا گیا کہ نماز پڑھاؤ اور حضور ﷺ کے محلے پر کھڑے ہو جاؤ تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابو بکرؓ کو اس سے معاف رکھا جائے کہ وہ ”رجل بکاء“ ہیں۔ جب وہ قرآن شریف پڑھنے لگتے ہیں تو پڑھ نہیں سکتے، ان پر گریہ غالب ہو جاتا ہے اور لوگ سن نہیں سکتے ہیں۔ اور یہی شکایت کی تھی مشرکین قریش نے جب حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی گئی اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی۔ جب تک کہ وہ سری نماز پڑھتے رہے تو لوگ وہاں جمع نہیں ہوتے تھے، لیکن جب وہ قراءت کرنے لگے تو مرد و عورتیں اور بچے وہاں جمع ہونے لگے۔ پھر وہ رقت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے لگے تو پھر بھی موم ہونے لگے تھے اور دلوں پر ایسا اثر ہونے لگا کہ قریش کو یہ فکر پڑ گئی کہ کہیں تکہ معظمہ کی زندگی میں تہلکہ نہ مچ جائے اور زمامِ کار ان کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ اصل میں قرآن کا مزاج ہی یہی ہے کہ درد کے ساتھ، ایمانی حلاوت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں آتا ہے ”الْإِيمَانُ يَمَانٌ وَالْفِئْفَاءُ يَمَانٌ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ“ یہ میری خوش نصیبی کہ پہلا معلم جو مجھے عطا کیا گیا وہ رفیقِ القلب تھا، دل درد مند رکھتا تھا اور ہم لوگوں کو حسرت رہتی تھی کہ وہ



دیر تک قرآن شریف پڑھیں اور ہم سنیں۔ وہ ہمارے محلہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ شاذ و نادر کبھی ایسی نوبت آتی تھی کہ وہ پوری سورۃ پڑھ سکیں، پڑھنا شروع کیا کہ گریہ طاری ہوا، آواز بھرا گئی۔ ان کا روزانہ کام یہ معمول تھا۔ انہوں نے مجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں پڑھائیں۔ توحید کی سورتیں خاص طور پر انہوں نے مجھے پڑھانی شروع کیں۔ سورۃ زمر سے شروع کیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ زبان و ادب کی تعلیم غالب آگئی اور اسی میں مشغول ہو گیا، لیکن قرآن مجید کا جو ذوق تھا وہ وقتاً فوقتاً سامنے آتا تھا اور اثر کرتا تھا۔

اس کے بعد جب میری تعلیم ختم ہوئی تو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، مدارس کے نصاب میں جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں ان سے زیادہ پڑھیں، پھر یہاں لاہور آکر مولانا احمد علی رحمہ اللہ سے قرآن مجید پورا پڑھا۔ یہاں بھی جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی قرآنی زندگی تھی جس کو قرآن ناطق کہا گیا ہے۔ اس سے قلب میں جلا محسوس ہوتی تھی۔ مولانا کی زاہدانہ زندگی، درویشانہ معاشرت اور عمل بالسنت کا مجھ پر وہ اثر پڑا جس کو ”برکت“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی رہا۔ میں نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے وقت مانگا کہ خاص خاص آیات، جن میں مجھے اشکال محسوس ہوتا ہے جو عام تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں، وہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ مولانا مدنیؒ اپنے زمانہ کے بلند ترین علماء میں سے تھے اور علوم و فنون اور حدیث کے علاوہ (جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا۔ اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کادن دیا۔ مجھے یاد ہے کہ ان آیات کو منتخب کر لیتا تھا جو حل نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا کثرت سے سفر کرتے تھے اور وہ تحریک کا زمانہ تھا، لیکن مجھے پھر بھی استفادہ کا کچھ موقع ملا۔

### مولانا سید سلیمان ندوی اور علوم قرآن

اس کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندویؒ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا۔ یہ ایک تاریخی انکشاف ہے۔ لوگ سید صاحب کو مؤرخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں، متکلم

کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تہمتی براعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو۔ اور اس غائر مطالعہ کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان و ادب 'بلاغت اور اعجازِ قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع و عمیق تھا' پھر مولانا حمید الدین فراہی (جو اس فن کے گویا امام تھے) کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ان کی گفتگو 'ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعہ قرآن سے پورا استفادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہم لوگ دارالمصنفین گئے ہوئے تھے تو انہوں نے سورہ جمعہ پر تقریر کی، میں نے ایسی عالمانہ، ایسی محققانہ اور ایسی نکات سے بھری ہوئی تقریر ابھی تک نہیں سنی تھی، کاش کہ وہ محفوظ ہو جاتی۔ تو مجھے سید صاحب سے مختصراً استفادہ کا موقع ملا۔ پھر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد میرا انتخاب ہوا تو خاص طور سے قرآن مجید کا درس میرے سپرد ہوا۔ وہاں قرآن کے درس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو متن قرآن پڑھایا جاتا ہے، اور یہ سلسلہ غالباً دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی سے شروع ہوا، پھر اور مدارس میں اس کی تقلید کی جانے لگی۔ اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ ابتداء میں متن کو سامنے رکھ کر پڑھایا جائے بغیر کسی تفسیر کی مداخلت کے، استاد تیار ہو کر آئے اور وہ اپنا مطالعہ قرآن پیش کرے۔ تو مجھے کئی سال تک قرآن مجید کی خدمت کا موقع ملا۔ تفسیر بھی پڑھائی لیکن زیادہ متن قرآن پڑھایا۔ جو مضامین میرے سپرد کئے گئے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم تفسیر والا مضمون تھا۔ میں نے اپنا تعارف اس لئے کر دیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں، اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے

”آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم“

جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں ان کو اندازہ ہو گا کہ میری تحریروں کا تابانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے۔ میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے، اور میں تاریخ کو قرآن مجید کی ہی تفسیر سمجھتا ہوں۔

### اجتہاد خاص، ہدایت عام

اس وقت جو آیت پڑھی گئی، اس آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں، ایک مقام اجتہاد اور دوسرے ہدایت۔ اجتہاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا ہے "اللہ

يَجْتَنِي مِنْ ذُلِّهِ مَنْ يَشَاءُ" سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے وہ اجنباء سے سرفراز کرے اور اس کو قبولیت و اجنباء کا درجہ عطا کرے، لیکن ہدایت کی سب انسانوں کو ضرورت ہے۔ "يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ" وہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہدایت کے طالب ہوتے ہیں، اور جن میں انابت کی، تواضع کی، بندگی کی اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو راستہ پر لگا دیتا ہے اور آخر تک پہنچا دیتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں انابت کی صفت پائی جائے "يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ" میں اسی ٹکڑے پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کے دو پہلو ہیں، ایک اس کا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے، یعنی وہ عقائد جن پر ہر شخص کو ایمان لانا چاہئے اور سمجھنا چاہئے اور قرآن سے اخذ کرنا چاہئے، اس کے متعلق تو قرآن مجید کا اعلان ہے کہ "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ" (روشن اور واضح عربی میں ہے) اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتا دیا ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ﴾ "ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟"

### قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہو سکتا

کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا اس سے کیا چاہتا ہے اور اس کی ہدایت کے لئے کیا شرائط ہیں اور توحید و رسالت اور معاد کا قرآنی تصور کیا ہے؟ قرآنی عقیدہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے کہ دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات مل سکے؟ اس کے لئے قرآن مجید آسان ہے اور کسی کو یہ کہنے کا عذر نہیں کہ ہم قرآن مجید سے ان باتوں کو سمجھ نہیں سکے، اور قرآن ہمارے لئے حجت نہیں، توحید کے بارے میں واضح سے واضح، صریح سے صریح، طاقت ور سے طاقت ور اور دو ٹوک بات جو کہی جاسکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہو سکتا۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ وہ ٹھو کریں کھا سکتا ہے، بے عمل ہو سکتا ہے، وہ فسق کی راہ اختیار کر سکتا ہے، لیکن جہاں تک توحید و شرک کا تعلق ہے تو قرآن مجید بالکل سورج کی طرح روشن ہے۔ اور سورج کیا چیز ہے اس میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ اور جہاں تک رسالت کے عقیدہ کا تعلق ہے کہ نبوت کیا چیز ہے؟ انبیاء کیا ہیں؟ ان کے ذمہ کون

سی چیز سپرد کی گئی؟ ان کو کیا حکم ہوتا ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی سیرت کیسی ہوتی ہے؟ ان کی زندگی کیسی پاک بازانہ اور بلند ہوتی ہے؟ یہ قرآن مجید میں صاف طور سے بیان کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنا تعارف بھی کراتے ہیں، وہ شبہوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ آپ سورہ اعراف پڑھئے، سورہ ہود پڑھئے، سورہ شعراء پڑھئے، اس میں ایک ایک نبی کا نام لے کر تعارف کرایا گیا اور ثبوت دیا گیا ہے۔

### عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے

جہاں تک رسالت و انبیاء کا تعلق ہے، اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کوئی آدمی گمراہی کا ارادہ ہی کر لے تو گنجائش تو ہر چیز کی ہے۔ آپ ہی میں سے کوئی صاحب، جن کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت عطا کی ہو، کھڑا ہو اور کہے کہ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ (۲) اس وقت دن ہے، سورج روشن ہے اور ہمیں دھوپ کی تمازت محسوس ہو رہی ہے، تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سب کو لاجواب کر دے۔ اس کا تو زبان اور ذہانت سے تعلق ہے، مقدموں میں عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبد الباری ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ عقل جج نہیں، بلکہ وکیل ہے، اس کو فیس ملنی چاہئے تو پھر یہ ہر مقدمہ کو ثابت کر سکتی ہے۔ جب کوئی فلسفہ آیا عقل نے اس کی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ وہ بالکل بدیہی حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی طے کر لے کہ قرآن مجید سے کوئی بات نکالنا ہے، اور اس کی مثال میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک تھا، وہاں ایک صاحب نے مقالہ پڑھا، میں ان کا نام اور جگہ کا نام نہیں لوں گا، انہوں نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا کہ قرآن میں جہاں صلوة کا لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے۔ اور ثابت کیا کہ سارے قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، مجھے اسی وقت بڑی سختی سے اس کی تردید کرنی پڑی۔

### ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے

ہدایت کے لئے قرآن مجید آسان ہے، اس میں کہیں کوئی شبہ نہیں، لیکن جہاں تک

اس کے علوم کا تعلق ہے، اس کے رفیع و دقیق مضامین کا تعلق ہے۔ اس میں کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم جو کچھ سمجھتے ہیں اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ قرآن کے بارے میں سب سے الگ، منفرد و شاذ رائے قائم کرنا بڑی خطرہ کی بات ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قول ہے :

ای سماء تظلنی و ای ارض تعلنی اذا قلت فی کتاب اللہ  
مالا اعلم

”اے اللہ! کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین پر چلوں گا اگر میں کتاب اللہ کی آیت کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کی کوئی بنیاد، کوئی تحقیق نہیں۔“

اور قرآن کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا یہ عام رویہ تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لفظ کے بارے میں فرماتے کہ اس کے کیا معنی؟ اور پھر خود ہی کہہ دیتے کہ ”تکلتک امک یا عمر“ ”عمر تیری ماں تجھ پر روئے“ (اگر تجھے اس ایک لفظ کے معنی نہیں معلوم تو کیا غضب ہوا) صحابہ کرامؓ کا انداز فکر بتاتا ہے کہ پورے قرآن پر حاوی ہونے کو وہ نہ تو ممکن سمجھتے تھے اور نہ ضروری۔ میری یہ جرأت معاف کی جائے اور وہ یہ کہ قرآن کی جو اصل روح، اصل مدعا اور اصل مقصد ہے وہ حاصل ہونا چاہئے اور اس کے ساتھ معاملہ ہونا چاہئے ادب و خشوع کا۔ ہمیں بہت سی چیزوں کی حقیقتیں معلوم نہ ہونے کے باوجود ان سے پورا پورا فائدہ پہنچا ہے۔ اگر کسی شخص کو قرآن مجید کے حقائق و مطالب معلوم نہیں، یہاں تک کہ پورے الفاظ کے معنی بھی معلوم نہیں، لیکن اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، خشیت ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے جو اللہ نے فرمائی ﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ کہ رو ٹگئے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ لرز جاتا ہے اور اس کا زواں زواں لرز جاتا ہے، کتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہدایت کے آخری مدارج تک پہنچ جائے اور اس کو قرب بالقرآن حاصل ہو۔ حدیث میں آتا ہے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے کہ قرآن مجید پڑھیں گے اور بہت تکلف سے پڑھیں گے، مگر ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ تو جہاں تک مضامین کا تعلق ہے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور بڑے سے

بڑا آدمی اس کی وسعت کے سامنے لرزہ بر اندام رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اللہ کی ہدایت اور توفیق کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔

## افادہ اللہ کی طرف سے

پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ افادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ افادہ ہوتا ہے ان قلوب پر جو اللہ کی خشیت سے اور کلام ربانی کی ہیبت سے اور اس کے جلال سے معمور ہوتے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے علوم کا ورود ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کو نوافل میں پڑھے اور یہ تصور کرے کہ جیسے قلب پر اسی وقت نزول ہو رہا ہے اور اس کا لطف لے اور اس میں گم ہو جانے کی کوشش کرے۔ قرآن مجید دماغی زور آزمائی کی چیز نہیں ہے کہ اپنا پسندیدہ مطلب قرآن مجید سے زور آزمائی کر کے نکالا جائے۔ تیسری بات یہ کہ دورانِ مطالعہ جو مطلب و معانی سمجھ میں آئیں تو یہ کہئے کہ میری ناقص سمجھ میں یہ بات آئی ہے، ایسا سمجھ میں آتا ہے اور یہ دعویٰ ہرگز نہ کرے کہ آج تک قرآن کو کسی نے سمجھا نہیں، میں نے ہی سمجھا ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ میں نے بارہا کہا اور لکھا بھی ہے کہ اگر قرآن مجید اپنے کو تیرہ سو برس میں نہیں سمجھا سکا تو یہ قرآن مجید پر بہت بڑا الزام ہے۔ وہ تو کہتا ہے ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ اور ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اور آپ کہتے ہیں کہ ایک ہزار برس تک، بارہ سو برس تک قرآن مجید کے فلاں لفظ کی حقیقت آج تک کسی نے سمجھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا افادہ اتنے دنوں تک بند رہا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک سیمینار میں اس کی اختتامی تقریر میں میں نے کہا تھا کہ اہل علم اپنی کسی تحقیق کو یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں مطالعہ کا جتنا موقع ملا اس کے نتیجہ میں ہمارا خیال یہ ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں... لیکن یہ طریقہ کہ کوئی شخص اپنے نتائج فکر کو سو فیصد صحیح ثابت کرنے پر اصرار کرے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو غلط قرار دے، صحیح نہیں۔ قرآن مجید کے سلسلہ میں آتا ہے کہ اس کا نیا پن اور تازگی پرانی نہیں ہوگی اور اس کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں۔ تو اگر آپ کو عمر نوح ﷺ بھی ملے اور وہ قرآن مجید کے تدبر میں صرف ہو تو ہر روز نئے نئے معانی کھلنے لگیں۔ ہماری عمر کا یہ محدود وقت، محدود قوت اور صلاحیت اور اس کے بعد ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید اب تک سمجھا ہی نہیں گیا، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

## میری ذاتی کتاب

آخری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو اپنی کتاب سمجھا جائے، یہ کتاب ہدایت ہے، یہ کتاب ابدی ہے، کتاب ابدی ہے، کتاب آسمانی ہے، لیکن میری ذاتی کتاب بھی ہے، میرا ذاتی ہدایت نامہ بھی ہے، اس میں میری ذاتی کمزوریاں بیان کی گئی ہیں، میرے ذاتی امراض کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہر آدمی اپنے آپ کو تلاش کر سکتا ہے۔ یہ جب ہو گا کہ آپ اس کو زندہ کتاب سمجھیں یا اپنی کتاب سمجھیں، اور آپ میں اپنی اصلاح کا جذبہ ہو۔ لوگوں کی اصلاح تو بعد میں ہوگی پہلے اپنی اصلاح ہو جائے۔

انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میری ہدایت ہو جائے پھر میں دوسروں سے کچھ کہوں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ قرآن مجید کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ حجت بنے، دوسروں کو شرمندہ کیا جائے، دوسروں پر حجت قائم کی جائے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن پڑھتے تھے اپنی اصلاح کے لئے۔ ایک آیت پڑھی اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ سورہ بقرہ بعض اوقات مبینوں میں ختم ہوئی۔

یہ چند باتیں ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں تھیں وہ سب میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں۔ ”يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ“ کے میدان میں جہاں تک ہم کوشش کر سکتے ہیں، کریں۔ اللہ جس کو چاہے مقام اجتہاد تک پہنچائے، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔ ہم سیکھنا چاہیں، ہم ہدایت حاصل کرنا چاہیں، ہم بننا چاہیں اور اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو قرآن مجید موجود ہے جو ہماری رہنمائی بھی کرے گا اور منزل مقصود پر بھی پہنچائے گا۔ ہم میں ہدایت کی طلب، اپنی احتیاج کا احساس اور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہونا چاہئے۔ اسی کے مجموعہ کا نام اثابت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا کریں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۗ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

## حواشی

(۱) شیخ غلیل بن محمد بمانی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”پرانے چراغ“ مستقل مضمون)۔

(۲) تقریر شب میں تھی۔

## مبلغ کی پہلی منزل

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں تبلیغ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں توقع تو ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ نہ ہو کہ قرآن کی تین آیتیں رسوا کر دیں گی تو ضرور تبلیغ دین کا کام کرو۔ اس نے کہا وہ کونسی تین آیتیں ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلی آیت یہ ہے:

﴿ اَتَاْمُوْنَ النَّاسِ بِالْبَيْتِ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (بقرہ: ۴۴)

”کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو؟“

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور دوسری آیت:

﴿ لِيْمَ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصف: ۲)

”تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس کو کرتے نہیں۔“

تو اس پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اور تیسری آیت:

﴿ مَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ﴾ (ہود: ۸۸)

”شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم سے کہا، جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں ان کو بڑھ کر خود کرنے لگوں، میری نیت یہ نہیں، بلکہ میں تو ان سے بہت دور رہوں گا (تم میرے قول اور عمل میں تضاد نہ دیکھو گے)۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ اس آیت پر اچھی طرح عمل کر لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو فرمایا: جاؤ، پہلے اپنے کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، یہ مبلغ کی پہلی منزل ہے۔

(معارف الحدیث، از مولانا منظور احمد نعمانیؒ سے ایک انتخاب)



## تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

تالیف: ابو عبد الرحمن شبیر بن نور

ذرا غور کریں!

ایک آدمی کام دھندا چھوڑتا ہے، اپنا آرام ترک کرتا ہے، اہل خانہ یا احباب کے درمیان سے اٹھ کر جاتا ہے، وضو کرتا ہے، مناسب کپڑوں کا اہتمام کرتا ہے، نماز کے لئے مسجد تک جاتا ہے، نماز کھڑی ہونے کا انتظار کرتا ہے، جماعت میں شریک ہوتا ہے، سردی گرمی کی مشقت برداشت کرتا ہے، لیکن اگر آخرت میں جا کر یہ پتہ چلے کہ اس کے نامہ اعمال میں نماز کی کوئی نیکی تحریر ہی نہیں تو ذرا سوچیں اس کا کتنا بڑا نقصان ہو گیا، اور اب تلانی کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ ایسے بد نصیب کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسَبُونَ أَنَّهَمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ﴾

(الکھف: ۱۰۳، ۱۰۴)

”(اے نبی!) ان سے کہو: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جدوجہد راہِ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔“

لہذا جس طرح دنیا کی خاطر مزدوری کرنے والا اپنی اجرت کی رقم خوب پڑتال کر کے لیتا ہے کہ مبادا یہ نوٹ جعلی نکل آئیں اور سارے دن کی محنت نہ صرف ا کارت جائے بلکہ اس پر جعلی نوٹ رکھنے کا مقدمہ بن جائے، اسی طرح آخرت کی خاطر مزدوری کرنے والے کو بھی اپنے اعمال کی پڑتال خوب دھیان سے کرنی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محنت بھی کرتے رہیں اور آخرت میں اجر و ثواب سے محرومی بھی رہے، اور عین ممکن ہے کہ مجرمانہ غفلت کا مقدمہ بھی چل جائے۔ لہذا ذیل میں ہم ان لوگوں کی نمازوں اور اس قسم

کی نمازوں کا تذکرہ تفصیل و دلیل سے کرنے جا رہے ہیں جو بظاہر ادا بھی کی جا رہی ہیں، لیکن کتاب و سنت پر مبنی دلائل بتا رہے ہیں کہ ایسی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ ایسی نمازوں کی وجہ سے التماسا مل جائے۔

ہمارے پیش نظر فقہی اصولوں کی بنا پر ایسی نمازوں سے بحث کرنا نہیں جو نمازیں ہوتی ہی نہیں، مثلاً بے وضو آدمی کی نماز، یا جان بوجھ کر قبلہ رخ چھوڑ کر دوسری طرف ادا کی گئی نماز، بلکہ ہمارے پیش نظر ایسے افراد کی نماز سے بحث کرنا ہے جو بزرگ خود صحیح نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن شرعی اصولوں کے مطابق ان کی نماز میں کوئی ایسی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم رہے، یا اللہ اللہ کے ہاں مجرم بن گئے، مثلاً ریا کار کی نماز۔ یا پھر ان کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو فقہی طور پر بھی قابل مواخذہ ہیں، لیکن ہمارے ہاں ان کی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ علماء و فقہاء ان کو بیان کرنے کی زحمت ہی نہیں کرتے، جیسے باریک دوپٹے میں نماز، یا ٹخنوں سے نیچے کپڑا کر کے مرد کی نماز۔ ہماری معروضات کو انہی اصولوں کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے۔

## ایسی نمازیں قابل قبول نہیں

### ① کافر کی نماز

اسلام میں اعمال کی قبولیت کی پہلی شرط ”ایمان“ ہے۔ جو آدمی ایمان لائے، پھر نیک عمل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۗ فَأُولَٰئِكَ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۲۴)

”اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ایسے ہی

لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں قبولیت اعمال اور دخول جنت کی دو شرطیں بیان کی

ہیں۔ جس کو جنت عزیز و مرغوب ہو وہ ان دو شرطوں کا خیال رکھے :

پہلی شرط : ایمان یعنی اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، کتابوں، مراحلِ آخرت اور تقدیر کے اچھے برے نتائج پر ایمان و یقین۔

دوسری شرط : عمل صالح ہو۔ عمل صالح کا معنی ہے کہ عمل اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے اور رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کے عین مطابق کیا جائے۔

اگر پہلی شرط نہ پائی گئی تو کفر لازم ہے، جس کے ساتھ قبولیتِ اعمال ممکن نہیں۔ اور اگر دوسری شرط نہ پائی گئی تو بدعت لازم ہے، جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

## ② مشرک کی نماز

بنیادی طور پر مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتا ہے، البتہ ذات، صفات یا حقوق و اختیارات میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا شریک بنا دیتا ہے، لہذا مشرک کہلاتا ہے۔ ایسے آدمی کی بھی کوئی عبادت یا نیکی اللہ کے ہاں قبول نہیں، کیونکہ نیکی کی قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ۝ ﴾ (البینة : ۵)

”اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر کے بالکل یک سو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔“

اور اگر مشرک کوئی نیک عمل کرتا بھی ہے تو اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ (الانعام : ۸۸)

(متعدد انبیاء و رسل ﷺ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا) ”اگر کہیں (بالقرض) ان لوگوں نے شرک کیا ہو تا تو ان کا سب کیا کر یا غارت ہو جاتا۔“

اسی بات کو تاکید مزید کے ساتھ اس طرح ارشاد فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ﴾ (الزمر : ۶۵)

” (اے نبی!) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔“

شرک کی پاداش میں اعمال کے ضائع ہونے کا لازمی نتیجہ ہے کہ مشرک جنت سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ ﴾ (المائدة : ۷۲)

”جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

### ③ منافق کی نماز

چونکہ اعتقادی منافق زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے اس لئے دنیا میں اس پر شرعی احکام مسلمانوں والے ہی لاگو ہوتے ہیں، حالانکہ وہ اصلاً کافر ہی ہوتا ہے کہ دل سے ایمان نہیں لاتا، لہذا آخرت میں اُس کے ساتھ معاملہ کافروں والا کیا جائے گا۔ بلکہ عذاب تو کافروں سے بھی زیادہ سخت ہو گا، کیونکہ وہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ دھوکے باز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافق کے ظاہر و باطن کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝  
يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ ﴾ (البقرة : ۹۸)

”اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ درحقیقت وہ مؤمن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔“

اسی دھوکے بازی کی وجہ سے اس کی سزا بھی عام کافروں کے مقابلے میں زیادہ سخت

ہوگی۔ فرمایا :

﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ ﴾ (النساء : ۱۳۵)

”یقین جانو کہ منافق جنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے۔“  
 اصلاً تو ایسے لوگوں کے لئے کوئی نیکی ہے ہی نہیں، لیکن چونکہ وہ بظاہر نماز ادا کرتے ہیں،  
 روزہ رکھتے ہیں تو ان ظاہری اعمال کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال و کردار کا نقشہ  
 ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ  
 إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خِيسِرِينَ ۝ ﴾

(المائدة : ۵۳)

”اور اُس وقت اہل ایمان کہیں گے: کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی  
 کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے سب اعمال  
 ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔“

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں :

”یعنی جو کچھ انہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے،  
 زکوٰۃ دی، جہاد میں شریک ہوئے، قوانین اسلام کی اطاعت کی، یہ سب کچھ اس  
 بناء پر ضائع ہو گیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کے لئے خلوص نہ تھا....“

(تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۳۸، حاشیہ ۸۶)

یہی موضوع مزید تفصیل سے دیکھنے کے لئے رجوع فرمائیں : (سورۃ محمد : ۳۸، تفسیر  
 القرآن، ج ۵، ص ۲۹-۳۰، حاشیہ ۳۸)

### ③ منافقانہ صفات والی نماز

بعض صفات کو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نماز کی صفات قرار دیا ہے۔ ظاہرات ہے  
 نماز ایسی کیونکر شرفِ قبولیت پاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا إِلَى  
 الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ ﴾

(النساء : ۱۳۲)

”بلاشبہ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ  
 ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو

کسماتے ہوئے، محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں منافقوں کی نماز کی تین صفات بیان ہوئی ہیں :

① کسماتے ہوئے اٹھتے ہیں، یعنی بے دلی کے ساتھ گویا کہ دل پر پتھر رکھ کر نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔

② لوگوں کے لئے دکھاوا کرتے ہیں، یعنی اگر لوگوں کے ساتھ موجود ہیں تو پڑھ لی، ورنہ کوئی بات نہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں، ورنہ جلدی جلدی پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

③ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں، کیونکہ ان کا دل نماز میں نہیں ہوتا، بلکہ ذاتی دلچسپی کے معاملات میں الجھا ہوا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ کو یاد کرنے کا کم ہی موقع ملتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

(( تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ، حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَى الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا )) (۳)

”یہ تو منافق کی نماز ہے، بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی جلدی چار ٹھونگے مار لیتا ہے، اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتا ہے۔“

مسند احمد کی روایت میں ”نَقَرُوا الدِّبَاكَ“ (۳) (مرغ کی طرح ٹھونگے مارنے) کے

الفاظ ہیں۔

④ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق بالکل آخر وقت میں نماز پڑھتا ہے،

گویا کہ اول وقت میں اہتمام کرنے کی بجائے آخر وقت میں چالو قسم کی نماز پڑھتا ہے۔

⑤ منافقانہ نماز کی پانچویں نشانی جلدی جلدی نماز پڑھنا ہے، گویا کہ اوپر نیچے ہونے کی ورزش تو کر رہا ہے، عملاً اللہ کو یاد نہیں کر رہا۔

نماز کے بارے میں منافقوں کی ایک اور عادت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

(( لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلُ عَلَيَّ الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ )) (۴)

”منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ دوسری کوئی نماز بھاری نہیں ہوتی۔“  
 بات ظاہر ہے کہ یہ دونوں وقت آرام اور اہل خانہ کے پاس بیٹھنے کے ہوتے ہیں، اس لئے  
 انہیں ذاتی مفاد چھوڑ کر نماز کے لئے نکلنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔  
 مذکورہ بالا علامتوں کی روشنی میں ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لے لیں۔ اگر نماز ان  
 علامتوں سے پاک ہے تو الحمد للہ، ورنہ تسمائی میں بیٹھ کر اپنا حساب کر لیں۔

### ⑤ جادوگر کی نماز

بالعموم اس قماش کے لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں، بالفرض اگر پڑھ بھی لیں تو اللہ تعالیٰ  
 کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ جادوگر مسلمان نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَمَا كَفَرُوا سَلِيمُنَ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾

(البقرة : ۱۰۲)

”حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو  
 جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔“

چونکہ جادوگر شیاطین اور ارواحِ خبیثہ سے مدد لیتا ہے، اور یہ اُس وقت جادوگر کی  
 مدد کرتے ہیں جب جادوگر ان کی پوجا کرتا ہے، جس میں لازماً شرکیہ و کفریہ کلمات ہوتے  
 ہیں۔ اس لئے اکثر علماء دین کے نزدیک جادوگر کافر ہے اور واجبِ قتل ہے۔ لہذا ایسے  
 آدمی کی نماز کیوں قبول ہو سکتی ہے؟ (۵)

### ⑥ کاہن، نجومی، پامسٹ، عرف وغیرہ کی نماز

جو آدمی ایسے لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان سے کچھ پوچھتا ہے اس کی بھی چالیس  
 دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

(( مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تَقْبَلْ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً )) (۶)

”جو شخص کسی ”عرف“ (۷) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں  
 پوچھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔“

غور طلب مقام ہے کہ اگر صرف پوچھنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی تو جس سے پوچھا جا  
 رہا ہے، اس کی نماز کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ اور اگر پوچھنے کے بعد اس کی باتوں کو دل سے  
 لگالیا اور ان پر یقین کر لیا تو پھر ایمان کی خیر نہیں۔ (۸)

## ② ریا کاری کی نماز

ریا کاری بالعموم منافقوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی مخلص و صادق مسلمان بھی ریا کاری کی خاطر نماز پڑھے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کی نماز بھی قبول نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ ﴾ (الکہف : ۱۱۰)

”پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔“

بیشتر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں مذکور شرک سے مراد ریا کاری ہے اور احادیث میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ ﴾ (الماعون : ۳-۷)

”پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے، جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔“

نہ صرف ریا کاری نماز تباہی و بربادی کا موجب ہے بلکہ یہ ایسی حرکت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے شرک قرار دیا ہے۔ اگر ریا کاری کو شرک اصغر بھی مان لیا جائے تب بھی بڑے خسارے کا سودا ہے، بلکہ عذاب الہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ...)) (۹)

”جس نے دکھلاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، اور جس نے دکھلاوے کا روزہ رکھا اس نے بھی شرک کیا....“

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(( مَنْ أَحْسَنَ الصَّلَاةَ حَيْثُ يَرَاهَا النَّاسُ وَأَسَاءَهَا حَيْثُ يَخْلُوْ



فَتِلْكَ إِسْتِهَانَةٌ، إِسْتِهَانٌ بِهَا رَبُّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى)) (۱۰)

”جس نے ایسی جگہ، جہاں لوگ دیکھ رہے ہوں، اچھی طرح نماز پڑھی اور تمنائی میں جلدی جلدی نماز ادا کی، ایسے شخص نے نماز کے ذریعے اپنے رب کی توہین کی۔“

① کھانے کی موجودگی، یا قضاے حاجت کی ضرورت کے ساتھ نماز ادا کرنا

نماز کی اصل روح یہ ہے کہ انسان خالص اللہ کے لئے یک سو ہو کر، خشوع و خضوع سے، اطمینانِ قلبی کے ساتھ اللہ کو یاد کرے، اور جو کیفیت اس خشوع و خضوع پر اثر انداز ہو سکتی ہو اور ذکر الہی میں رکاوٹ ڈالے اس سے پہلے ہی فارغ ہو جائے۔ مثلاً ایک آدمی کو شدید بھوک لگی ہوئی ہے، کھانا بھی سامنے موجود ہے اور کسی قسم کی کوئی رکاوٹ بھی نہیں، تو اب ظاہر بات ہے کہ اگر وہ نماز میں مصروف ہو گیا تو دھیان کھانے کی طرف جائے گا اور نماز میں مطلوبہ خشوع و خضوع حاصل نہ ہو گا۔ لہذا وہ پہلے کھانا کھالے اور پھر سکون سے نماز پڑھ لے۔ اسی طرح اگر اسے پیشاب یا پاخانے کی حاجت تک کر رہی ہے تو ظاہر ہے وہ سکون سے نماز ادا نہیں کر سکے گا، لہذا اسے پہلے حاجت سے فارغ ہو جانا چاہئے تاکہ مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے سنا :

(( لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ وَلَا وَهُوَ يُدْفِعُهُ الْأَخْبَثَانِ )) (۱۱)

”کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے اور نہ ہی اُس وقت جب اسے بول و براز تک کر رہے ہوں۔“

اسی طرح اگر کسی کے پیٹ میں ہوا کا شدید زور ہو گیا ہو یا یک دم کوئی شدید درد شروع ہو گیا ہو تو بھی نماز صحیح نہیں ہوگی، بلکہ اسے فوری پریشانی سے خلاصی پالینی چاہئے اور اس کے بعد سکون سے نماز پڑھنی چاہئے۔

بعض ائمہ نے ایسی حالت میں نماز پڑھنے کو مکروہ کہا ہے، لیکن یہ بات اُس وقت تک صحیح ہے جب معاملہ قابل برداشت ہو، مگر جب ناقابل برداشت ہو جائے اور آدمی اپنے اوپر جبر کر کے نماز پڑھ رہا ہو تو نماز قطعاً قبول نہیں ہوگی۔



۱۱) جس نے کچا پس، کچا پیاز، یا کچا کراٹ (۱۳) کھایا ہو۔

۱۲) نایبا آدمی جس کو لانے اور لے جانے والا کوئی نہ ہو۔

اختصار کے پیش نظر احادیث کا ذکر نہیں کیا، ورنہ بات بہت پھیل جاتی۔ میری معلومات کی حد تک تمام احادیث صحیح ہیں۔

۱۰) صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کرنا

اسلام میں نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی لئے مسجد میں بنوائی جاتی ہیں، اذان ہوتی ہے، مؤذن مقرر کیا جاتا ہے، امام مقرر کیا جاتا ہے اور دوسرے انتظامات کئے جاتے ہیں، تاکہ مسلمان مل کر نماز ادا کریں۔ اگر ایک شخص آئے اور صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ علماء وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا نہیں کر رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی صف کے پیچھے تنہا نماز ادا کر رہا ہے تو اسے نماز دہرانے کا حکم دیا (۱۴)۔ ظاہر بات ہے کہ اگر اس کی نماز صحیح ہوتی تو آپ اسے دہرانے کا حکم نہ فرماتے۔

۱۱) اقامت ہونے کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنا

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایک طرف نماز کھڑی ہے دوسری طرف وہ (بزعم خود) سنتیں ادا کر رہے ہیں، حالانکہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد اسی جگہ کسی قسم کی کوئی نماز جائز نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ)) (۱۵)

”جب جماعت کھڑی ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض نماز کے“۔

اتنی واضح نص ہونے کے باوجود بھی جو حضرات جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت ادا

کرنے کو صحیح کہتے ہیں، خبر نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی پیروی کر رہے ہیں یا نیا دین گھڑ رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم آگیا تو سب کی بات ختم ہو گئی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو اس نے مسجد کے کونے میں دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک نماز ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے

بعد اس سے فرمایا :

(( يَا فُلَانُ! بِأَيِّ الصَّلَاتَيْنِ اعْتَدَدْتَ؟ أَبِصَلَاتِكَ وَحَدِّكَ أَمْ بِصَلَاتِكَ  
مَعْنَا؟ )) (۱۶)

”جناب! آپ نے دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز شمار کی ہے؟ جو نماز تمہارا پڑھی تھی وہ آیا وہ نماز جو ہمارے ساتھ ادا کی ہے؟“

بات واضح ہے کہ ایک آدمی جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں آتا ہے اور وہ سنتیں بھی پڑھنا چاہتا ہے، تو ظاہریات ہے وہ جلدی جلدی نماز ادا کرے گا، نہ سلیقے سے رکوع و سجود کرے گا اور نہ سکون سے تسبیحات پڑھ سکے گا۔ ایسی نماز کا کیا فائدہ؟ اس حرکت سے وہ تکبیر تحریمہ کی فضیلت سے محروم رہا، امام کی تلاوت بھی نہ سن سکا، سکون سے قیام بھی نہ کر پایا۔ عین ممکن ہے اس کی پہلی رکعت بھی نکل جائے اور وہ بھاگم بھاگ میں ہی رہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ ﴾

(المؤمنون : ۲۱)

”یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے، جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔“

اور ایسی نمازوں میں خشوع کہاں؟؟

⑫ حالتِ نشہ میں نماز پڑھنا

نماز تو نام ہے جسم و جان سے زیادہ دل و دماغ کو اللہ کے حضور پیش کرنے کا اور نشہ میں چور کو یہ مقام کیسے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ... ﴾ (النساء : ۴۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہئے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔“

نشہ کی حالت میں نہ صرف نماز پڑھنا منع ہے، بلکہ نشہ کرنے والے کی عرصہ چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

(( مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ تُقْبَلْ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَثْبُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ )) (۱۷)

”جس نے شراب پی چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس نے اگر دوبارہ پی تو چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اگر اس نے تیسری بار پی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ پھر اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اگر اس نے چوتھی بار پی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرے گا اور اسے ”خَبَال“ نامی نر سے پلائے گا۔“

”خَبَال“ سے مراد وہ نر ہے جس میں دوزخیوں کے خون اور پیپ اکٹھے ہو کر بہیں گے۔  
(اعازنا اللہ منہ)

واضح رہے کہ سنن النسائی اور مسند احمد کی روایات میں ”شَرْبَةُ“ کا اضافہ بھی ہے جس کے معنی ہیں کہ ”جس نے ایک گھونٹ شراب پی“ اس کا یہ انجام ہو گا۔  
(باقی اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے)

## حواشی

- (۱) یہی مضمون سورۃ النحل : ۹۷ ط : ۱۱۳ الانبیاء : ۹۳ غافر / المؤمن : ۳۰ میں بیان ہوا ہے۔
- (۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد، ح : ۶۲۲، باب ۳۳، و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، ح : ۳۱۳، باب وقت صلاة العصر
- (۳) مسند احمد، ۳/۲۴۷
- (۴) صحیح البخاری، کتاب الجماعة، باب فضل العشاء فی الجماعة، ح : ۶۲۶، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، ح : ۶۵۱

(۵) تفصیل مزید کیلئے میری کتاب ”بکیرہ گناہوں کی حقیقت“ دیکھی جاسکتی ہے، جسے نور اسلام اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان، ح: ۲۲۳۰ و مسند احمد ۳۸۰/۵

(۷) ”عراف“ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو جنوں، شیطانوں، ستاروں کے حساب کتاب یا ہاتھ کی لکیروں وغیرہ کے ذریعے غیب کی خبریں دینے کا دعوے دار ہو۔

(۸) تفصیل مزید کے لئے ملاحظہ ہو ”اسلام کے منافی امور“ تالیف فضیلۃ الشیخ الاستاذ ابو کلیم مقصود الحسن فیضی (زیر طبع)

(۹) مسند احمد ۱۳۶/۲ و المسند رک للحاکم ۳۲۹/۳، کتاب الرقاق

(۱۰) مسند ابی یعلیٰ، ح: ۵۱۷، ج ۵۳/۹، اسی حدیث کو حافظ ابن حجر نے الطالب العالیہ، ح: ۳۲۰۰، ج ۱۸۳/۳ میں بیان کیا ہے اور حسن کہا ہے۔ جبکہ امام البیہقی نے ابراہیم بن

مسلم الجری کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد، ح: ۱۷۶۵۳، ج ۳۹۸/۱۰

(۱۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ۱۲ و سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ۴۳

(۱۲) صحیح ابن حبان (الاحسان)، ح: ۲۰۶۳، ج ۳۱۵/۵ و شرح السنۃ للبخاری، ح: ۷۹۳ و سنن ابن ماجہ، ح: ۷۹۳ و سنن ابی داؤد، ح: ۵۵۱

(۱۳) پیاز یا لہسن کی سبز شاخ سے ملتی جلتی ایک بدبودار سبزی ہے جو عموماً جزیرہ عربیہ میں پائی جاتی ہے۔

(۱۴) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلیٰ وحده خلف الصف، ح: ۶۸۲ و سنن ابن

ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب صلاۃ الرجل خلف الصف وحده، ح: ۱۰۰۳ و ۱۰۰۴۔ علامہ

البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو ارواء الغلیل، ح: ۵۳۱، ج ۳۲۳/۲

(۱۵) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب کراهۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع

الموذن، ح: ۷۱۰ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب اذا ادرك الامام ولم یصل رکعتی

الفجر، ح: ۱۲۶۶

(۱۶) صحیح مسلم و سنن ابی داؤد، حوالہ سابقہ

(۱۷) سنن الترمذی، کتاب الاشرۃ، باب ما جاء فی شارب الخمر، ح: ۱۸۶۲ و مسند احمد

۱۷۶/۲ و سنن النسائی، کتاب الاشرۃ، باب توبۃ شارب الخمر، ح: ۵۶۸۶۔ محققین نے

حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع، ح: ۶۳۱۲

# مسلمان کا طرزِ حیات (۴)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرہ آفاق تالیف

”منہاج المسلم“ کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

آٹھواں باب

## اللہ کے رسولوں علیہم السلام پر ایمان

ہر مسلمان کا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں کچھ افراد کو منتخب کر کے انہیں رسالت اور نبوت کے شرف سے مشرف فرمایا، انہیں وحی کے ذریعے اپنے احکام سے باخبر فرمایا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کو اللہ کے احکام بتائیں، تاکہ قیامت کے دن لوگوں کے پاس لاعلمی کا عذر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات بھی دیئے اور دلائل بھی عطا کئے۔ بنی آدم میں سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔

انبیاء و رسل انسان تھے۔ عام انسانوں پر جو حالات آتے ہیں وہ ان پر بھی وارد ہوئے تھے۔ انہیں کھانے پینے کی ضرورت ہوتی تھی، وہ بیمار بھی ہو جاتے تھے اور صحت یاب بھی ہوتے تھے، ان سے بھول بھی ہو جاتی تھی اور اپنی زندگی گزار کر فوت ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود کائنات کے کامل ترین اور افضل ترین افراد تھے۔ کوئی شخص اُس وقت تک صحیح مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان سب پر اجملاً اور تفصیلاً ایمان نہ رکھے۔ اس عقیدے کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

### نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسولوں اور ان کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿ وَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

الطَّاغُوتَ ۚ ﴾ (النحل: ۳۶)

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے  
ذور رہو۔“

اور فرمایا :

﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

بَصِيرٌ ۝ ﴾ (الحج: ۷۵)

”اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی پیغام پہنچانے والے منتخب فرماتا ہے اور انسانوں میں  
سے بھی۔ اللہ تعالیٰ یقیناً سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

نیز ارشاد فرمایا :

﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ

وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ

وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۚ

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۚ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ

لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ ﴾

(التيساء: ۱۶۳-۱۶۵)

”ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے  
نبیوں کی طرف کی تھی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد،  
عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف وحی کی۔ اور ہم نے داؤد  
کو زبور دی۔ کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے آپ کو بتائے ہیں اور کچھ رسولوں کے  
واقعات نہیں بتائے، اور اللہ نے موسیٰ سے کلام فرمایا۔ (ہم نے) رسول (بھیجے) جو  
خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے تھے، تاکہ رسولوں (کی بعثت) کے بعد  
لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت  
والا ہے۔“



اس کے علاوہ ارشاد فرمایا :

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ  
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۗ ﴾ (الحديد: ۲۵)

”ہم نے اپنے رسول واضح دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان  
کو نازل کیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

نیز ارشاد ہوا :

﴿ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴾

(الانبیاء: ۸۳)

”اور ایوب نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے، اور تو سب رحم  
کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

اور فرمایا :

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ  
وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ ﴾ (الفرقان: ۲۰)

”ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے  
پھرتے تھے۔“

اس کے علاوہ ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى بَسْعَ آيَاتٍ فَاسْتَلَبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ نِيلَ إِذْ  
جَاءَهُمْ... ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۱)

”اور ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں، تو بنی اسرائیل سے سوال کیجئے جب وہ ان  
کے پاس آئے تھے...“

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى  
وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا ۗ لِيَسْئَلِ الصَّادِقِينَ  
عَنْ صِدْقِهِمْ ۗ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ ﴾ (الاحزاب: ۷)

”اور (یاد کیجئے) جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم،

(۶) ((مَا كَانَ لِعِبَادِ أَنْ يَقُولَ إِنْحِ خَيْرًا مِنْ يُؤْتَسُ بِنِ مَتَى))

”کسی بندے کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔“

اور حضور ﷺ نے شب معراج کے موقع پر بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا جن سے حضور ﷺ کی ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی، اور آپ نے انہیں امام بن کر نماز پڑھائی۔ اور حضور ﷺ کی ملاقات مختلف آسمانوں میں حضرت یحییٰ، عیسیٰ، یوسف، اور لیس، ہارون، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی اور حضور ﷺ نے ان انبیائے کرام کے حالات بیان فرمائے۔ (۷)

اور ارشاد فرمایا:

((وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ذَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ)) (۸)

”اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔“

(۳) اربوں مسلمان اور اہل کتاب — یہودی اور عیسائی — اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی رسالت پر پختہ یقین رکھتے ہیں، ان کو کمال سے متصف مانتے ہیں اور انہیں اللہ کے برگزیدہ افراد مانتے ہیں۔

## عقلی دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ مخلوق کی طرف رسول بھیجے جو انسانوں کو اپنے رب کی پہچان کرائیں، اور انہیں وہ باتیں بتائیں جن سے وہ انسانی کمال تک پہنچ سکیں اور دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح سے ہم کنار ہو سکیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (الذَّارِيَّت: ۵۶)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا۔“

اس حکمت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو منتخب فرما کر مبعوث کرے، تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور اطاعت کے طریقے بتا سکیں اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کر سکیں۔

(۳) نیکی سے نفس انسانی میں طہارت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کا نتیجہ دل کی سیاہی اور نفس انسانی کا تنزل ہے۔ ثواب کا دار و مدار انہی عقلی

اور نفسیاتی کیفیات پر ہے۔ اس امر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے جائیں، تاکہ قیامت کو انسان یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہمیں تو تیری اطاعت کے طریقے معلوم ہی نہیں تھے تو ہم کس طرح ان پر عمل کر سکتے تھے؟ اور ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ کون سے کام تیری ناراضگی کا باعث ہیں ورنہ ہم ان سے پرہیز کرتے۔ چونکہ اے اللہ آج تو ظلم نہیں فرمائے گا لہذا ہمیں سزا نہ دے۔ اس طرح وہ اللہ کے سامنے ایک حجت پیش کر سکتے تھے۔ یہی کیفیت بعثت انبیاء کا باعث ہوئی، تاکہ انسان اس قسم کے عذر پیش نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ زُسْلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ ﴾ (النساء: ۱۶۵)

”اللہ نے رسول خوشخبری دینے اور تنبیہ کرنے کے لیے (بھیجے) تاکہ رسولوں کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔“

## حواشی

- (۱) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾ اور صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال۔
- (۲) یہ حدیث صحیحین میں مختلف الفاظ سے وارد ہے۔ مثلاً صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قوله تعالیٰ: ﴿وَإِنَّ يُؤْتَسَ لِمَنْ الْمُؤْسَلِينَ﴾ اور صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ۔
- (۳) صحیح ابن حبان۔
- (۴) امام احمد اور بیہقی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ حسن ہے۔
- (۵) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابراہیم علیہ السلام۔
- (۶) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَإِنَّ يُؤْتَسَ لِمَنْ الْمُؤْسَلِينَ﴾ اور صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر یونس علیہ السلام۔
- (۷) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب کیف فرضت الصلاة فی الاسراء۔
- (۸) صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات۔

# ”سی ٹی بی ٹی“ کی شرعی حیثیت

از دارالافتاء، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

امریکہ سی ٹی بی ٹی یعنی ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے جامع معاہدہ کے نام سے پاکستان کو اس معاہدہ پر دستخط کرا کر پابند بنانا چاہتا ہے جس سے بظاہر پاکستان کو حاصل ایٹمی توانائی کے استعمال یا اس کی مزید ترقی کو روکنا مقصود ہے۔ کیا شرعاً کسی مسلمان ملک کے حکمرانوں کو اپنی جمادی قوت، آلات و وسائل اور حربی تکنیک کو کفار کے دباؤ یا کسی لالچ کے نتیجے میں اسے محدود اور معطل یا منجمد و مفلوج کرنے کی اجازت ہے؟ مسئلہ کی از روئے قرآن و سنت شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے ملک اور عالم اسلام کے معروف معتمد اور ممتاز دینی ادارہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء نے مدلل روشنی ڈالی ہے جو اعیان حکومت، ممبران پارلیمنٹ، سیاست دانوں، سائنس دانوں، فوجی اداروں، علماء، دانش وروں، صحافیوں اور عام مسلمانوں کے غور و فکر کے لئے پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی خدمت کو ملک و ملت کے بہتر مستقبل اور فلاح و بہبود کا ذریعہ بنا دے۔

مولانا سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

## استفتاء

مملکت اسلامیہ پاکستان، جو کہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے، اس کی تقسیم کا مقصد ہی یہاں پر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا قیام تھا۔ الحمد للہ پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی قربانیوں کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور اس نے عالم اسلام کے ہر دور میں ہر اول دستے کا کردار ادا کیا۔ یہود و ہنود اور مغربی ممالک پاکستان

کے قیام کے روزِ اوّل ہی سے اس کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں اور مختلف سازشوں سے اس کو آئے دن کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنا ہے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں جبکہ پاکستان کے قیام کا ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا، اس پر جنگ مسلط کر دی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۰ء کی جنگیں ہوئیں اور ہمارے خلاف بدترین جارحیت کی گئی۔ اب جبکہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے مجاہدین ہندوؤں کے خلاف جماد میں سرگرم عمل ہیں اور پاکستان نے ہر سطح پر خصوصاً بین الاقوامی فورم میں مسئلہ کشمیر کو اجاگر کیا ہے تو ہندوستان نے تحریک آزادی کشمیر کو ختم کرنے اور پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے گیارہ اور تیرہ مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کئے۔ یہ دھماکے ہندوستان میں واجپائی حکومت نے کئے جن کا بنیادی منشور ہی اسلام اور پاکستان دشمنی پر مبنی ہے۔ یاد رہے کہ ہندوستان ۱۹۷۳ء سے ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو یہ حق مکمل طور پر حاصل تھا کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لئے قرآنی نص کے مطابق ہر ممکن صلاحیت، خواہ وہ عسکری ہو یا حربی، ہر لحاظ سے خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے۔

﴿ وَاعْتَدُوا لَهُمْ مِمَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِنُونَ بِهِ

عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ... الْآيَةَ ﴾ (الانفال : ۶۰)

اس وقت حکومت پاکستان نے ایٹمی پروگرام کو یودو ہنود کے مکروہ عزائم بھانپتے ہوئے شروع کیا تھا۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے اپنے ذرائع و وسائل اور حیثیت سے بڑھ کر ملک و ملت اور سائنس دانوں نے طویل اور صبر آزما ایثار کا مظاہرہ کیا۔ اس پر اربوں روپے خرچ ہوئے اور بمشکل تمام اس کو عالم کفر کی خونخوار نظروں سے بچائے رکھا۔ گویا تمام قوم نے خون جگر سے اس پروگرام کی آبیاری کی اور اپنے ملک و ملت اور عالم اسلام کو ایک ناقابل تسخیر ایٹمی قوت بنا کر عالم کفر اور بھارت کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملایا، جس سے تمام پاکستانی قوم اور پورے عالم اسلام کا سر فخر سے بلند ہوا، قوم کو نئی راہ اور نئی سمت مل گئی اور ہم جو اکیسویں صدی میں عالم اسلام اور پاکستان ایٹمی قوت کی حیثیت سے (جو کہ سائنس اور ٹیکنالوجی اور عسکری طاقت کی معراج سمجھی جاتی ہے) داخل ہو رہے ہیں تو موجودہ حکومت، جس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخطوں کا

حتمی فیصلہ کر لیا ہے جو ہماری قومی و فوجی دفاع کی شہ رگ کو کاٹنے کے مترادف ہے۔ حکومت اس معاہدہ کے تحت ہمیں ایک بے غیرت، بے حمیت، بزدل اور سوداگر قوم بنانا چاہتی ہے اور ہمیں معاہدے کے بعد ہندوستان و اسرائیل کے خونخوار بھیڑیوں کے سامنے بے دست و پا پھینکنے کی کوشش کر رہی ہے، خاص کر ایسے حالات میں کہ جب ہندوستان، جس کو ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنے کے جامع معاہدے پر دستخط کرنے میں اب تک انکار و تردد ہے، اور اگر اس نے دستخط کر بھی لئے تو اس کی فوجی اور دفاعی ساز و سامان کی صلاحیت، جنگی ٹیکنالوجی اور افرادی قوت ہم سے کئی گنا زیادہ ہے، جس کا مقابلہ ہماری ایٹمی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نیز یہود و نصاریٰ اور عالمی کفر و استعمار کے پانچ بد معاشوں اور دہشت گردوں نے بھی ابھی تک اس معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے، اور نہ ان کا کوئی ارادہ ہے۔ اس معاہدے کے بعد عالم اسلام کا ناقابل تصور نقصان ہو گا۔ چند نقصانات درج ذیل ہیں :

### معاہدہ کے چند بڑے نقصانات و مضمرات

- (۱) کشمیر کی تحریک آزادی پر ہر لحاظ سے براہ راست برا اثر پڑے گا۔
- (۲) ہندوستان اور عالم کفر کے ایٹمی پروگرامز روز بروز جاری و ساری اور ترقی کی منازل کرتے رہیں گے اور اس کے برعکس ہمارا ایٹمی پروگرام اس معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ جائے گا۔
- (۳) بھارت کے مقابلے میں ہماری پوزیشن عسکری، حربی اور سیاسی لحاظ سے کمزور تر ہو جائے گی۔
- (۴) معاہدہ کے بعد عالم کفر کی طرف سے ہم سے نئے نئے مطالبات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، جس کا مشاہدہ ہم عراق، لیبیا وغیرہ ملکوں میں کر رہے ہیں۔
- (۵) ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد عالم اسلام خصوصاً عالم عرب کو ایک ولولہ تازہ عطا ہوا تھا اور اسرائیل اور دوسری استعماری کفری طاقتیں مرعوب ہو گئی تھیں، معاہدے کے بعد ہماری حیثیت محض ایک سوداگر قوم کی سی رہ جائے گی۔
- (۶) اگر مستقبل میں عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان کوئی بڑی جنگ شروع ہوئی (جس

کی ابتداء امریکہ، عراق، لیبیا، سوڈان اور افغانستان سے کر چکا ہے) تو اس میں پاکستان اس معاہدے کے بعد کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکے گا، بلکہ پاکستان امریکہ کی ایک کالونی کی حیثیت اختیار کرے گا۔

(۷) اس کے نتیجے میں عالم اسلام اور دوسرے مقامات میں جہادی قوتوں کو شدید دھچکا لگے گا اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

(۸) پاکستان عالم اسلام کو کبھی بھی ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل نہیں کر سکے گا۔

اس خطرناک صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء و مفتیان دین متین کیا فرماتے ہیں کہ :  
 (ا) ملک و ملت کے ان عظیم نقصانات (کے ہوتے ہوئے) جو کہ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد یقینی اور حتمی ہیں، کیا موجودہ حکومت کو اس بات کا حق اور اختیار پہنچتا ہے کہ وہ ایک ارب مسلمانوں کے فیصلے کے برعکس اس ذلت و رسوائی کے محض نامے اور اپنی موت و قتل کے پروانے پر دستخط کر دے (اور اس کے نتیجے میں ہمیں جو موہوم امداد، بلکہ خیرات اور بھیک ملے گی کیا وہ ماضی کی طرح حکمرانوں کے بینکوں میں نہیں جائے گی)؟ ان نقصانات اور خطرناک حقائق کی موجودگی میں اس معاہدے پر دستخط کے لئے مہم چلانا یا اس کی حمایت کرنا اور اس پر دستخط کرنا، دین و شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے اور یہ معاہدہ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) اور وہ لوگ جو اس پر دستخط کرتے ہیں، یا اس کی حمایت کرتے ہیں، یا اس پر دستخط کیلئے مہم چلاتے ہیں، خواہ وہ حزب اقتدار سے ہوں یا حزب اختلاف سے، سیاست دان ہوں یا بیوروکریٹس اور حکومتی مشنری، ان کا کیا حکم ہے؟

(ج) اور آیا یہ لوگ ملک و ملت اور اپنے حلف سے انحراف کے ارتکاب کرنے والوں کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی

ایک ہمدرد و مخلص پاکستانی

محمد عمر، نارتھ ناظم آباد (کراچی)

## الجواب وباللہ التوفیق

### اعدادِ آلاتِ حربِ قرآنِ کریم کی روشنی میں

اعداد (تیاری) آلاتِ جہاد کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مِمَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ  
عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوهُمْ ۗ اللَّهُ  
يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تَنْقِفُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ  
لَا تَنْظُمُونَ ۝ ﴾ (الانفال : ۶۰)

”اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے  
گھوڑوں سے، کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر،  
اور دوسروں پر ان کے سوا، جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے، اور جو کچھ تم  
خرچ کرو گے اللہ کے راستے میں وہ تمہیں پورا ملے گا۔ اور تمہارا حق نہ رہ  
جائے گا۔“ (ترجمہ از معارف القرآن)

اس کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں :

وَهَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْإِسْتِعْدَادَ لِلْجِهَادِ بِالنَّبْلِ وَالسَّلَاحِ  
وَتَعْلِيمِ الْفُرُوسِ سَيَّةٌ فَرِيضَةٌ <sup>(۱)</sup>

”یہ آیت کریمہ جہاد کے لئے تیاری، اسلحہ، تیروں اور شہسواری کی تعلیم کی فرضیت  
پر دلالت کرتی ہے۔“

علامہ شبیر احمد عثمانی ”اس آیت کے ضمن میں فوائد عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں :

”مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو مسلمان جہاد فراہم کریں۔ نبی اکرم  
ﷺ کے عہد مبارکہ میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق  
کرنا مسلمان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز، کشتیاں، آہن پوش کروزر  
وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب  
مسلمان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلاتِ حرب و ضرب تیار ہوں وہ سب  
آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔“ <sup>(۲)</sup>



لہذا اس آیت کے عموم میں موجودہ وقت میں جو آلاتِ حرب و ضرب اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت جو بم اور میزائل وغیرہ تیار کئے گئے ہیں، مثلاً کروڑ میزائل، سکڈ میزائل، نیپام بم، ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم جیسے مملکت ہتھیار، یہ تمام ”مَا اسْتَطَعْتُمْ“ کے عموم میں آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۲۵۵ پر لکھتے ہیں :

”لہذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا، اس لئے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لئے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا، تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کر سکیں۔“

### اس کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات اور فقہاء کے اقوال

اسی طرح احادیثِ کریمہ میں حضور ﷺ نے اعدادِ آلاتِ حرب کی تاکید اور ترغیب فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ ((وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ)) (۳)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اس حال میں کہ آپ منبر پر تھے، فرمایا: ”اور تیار کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے وہ چیزیں جو تم قوت سے کر سکو۔ خبردار! بے شک قوت تیر اندازی ہے، خبردار! بے شک قوت تیر اندازی ہے۔“

جس کی تفسیر میں علامہ ابو بکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں :

ومعنى قوله الا ان القوة الرمي انه من معظم ما يجب اعداده للقوة على قتال العدو ولم ينف به ان يكون غيره من القوة بل عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب (۴)

دوسری روایت ہے :

عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صِنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنْبِلَهُ)) (۵)

”عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے: اس کا بنانے والا، جس کے بنانے سے اس کی نیت خیر کی ہو، اور اس کا پھینکنے والا اور تیسرا تیر دینے والا تیر انداز کے ہاتھ میں۔“

اس حدیث کے متعلق شارح ابوداؤد مولانا غلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں :

ولم يكون في زمن رسول الله ﷺ الا رمى السهام فيدخل بل يعوض عنه فيه ما يرمى به من الرصاص بالبندقية والمدافع وغير ذلك من آلات الحرب الجديدة في هذا الزمان فانها اغنت عن رمى السهام بالقوس وعطلته (۶)

فقہاء کرام میں فقہ حنفی کی مشہور و معروف شخصیت حافظ ابن نجیم فرماتے ہیں :

يندب للمجاهد في دار الحرب توقيف الاظفار وان كان قصها من الفطرة لانه اذا سقط السلاح من يده ودنا منه العدو ربما يتمكن من دفعه بالاطافير وهو نظير قص الشوارب فانه سنة ثم الغازي في دار الحرب مندوب الي توقيرها وتطويلها ليكون لهيب في عين من يبارز- فالحاصل ان ما يعين المرء على الجهاد فهو مندوب الي اکتسابه لما فيه من اعزاز المسلمين وقهر المشركين (۷)

”دار الحرب میں مجاہد کے لئے ناخن بڑھانا، اس کے باوجود کہ ناخنوں کا کٹوانا فطری امر ہے، مندوب اور مستحب ہے، کیونکہ دوران جنگ و جہاد اس کے پاس اسلحہ نہ ہو اور دشمن اس کے بالکل قریب ہو تو ناخن کے ذریعہ بھی وہ اپنے دشمن کو دفع کر سکتا

ہے۔ اور اس کی نظیر مونچھوں کو ترشوانا ہے، کیونکہ یہ سنت ہے، پھر غازی کے لئے دارالحرب میں مونچھوں کا بڑھانا مستحب ہے تاکہ اس سے اس کے مقابل دشمن پر رعب اور دھاک بیٹھ جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ چیز جو کہ مجاہد و غازی کے لئے جماد میں مہمو معاون ثابت ہو تو وہ مندوب اور مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کا وقار اور مشرکین کی تذلیل و توہین ہے۔“

ان تصریحات کی موجودگی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رکھنا فرض اور ضروری ہے، تاکہ جماد کے وقت ان کی توجہ اسلحہ کی تیاری پر نہ ہو۔

### آلاتِ حرب یا عسکری قوت کو ضائع کرنے یا ان کو منجمد کرنے پر وعیدیں

جس مسلمان ملک کے پاس یہ آلاتِ حرب (اور وہ بھی جدید ترین شکل میں) ہوں، ان آلات کو ضائع کرنے یا اس کو استعمال میں نہ لانے کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

عَنْ عَقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : (( مَنْ عَلِمَ الرَّمِيَّ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَضَى )) (۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں : ”جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، یا وہ گناہ گار ہو۔“

مندرجہ بالا حدیث کے ذیل میں شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”هذا تشديد عظيم في نسيان الرمي بعد علمه و مكروه كراهة شديدة من تركه بلا عذر“

اور اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں :

”جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔ گویا اس نے اس میں کوئی نقص دیکھا، اور اس کے ساتھ استہزاء کیا اور یہ صورتیں کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتی ہیں۔ شارح حدیث نے اس نعمت کو نعمتِ خطیرہ سے تعبیر کیا ہے۔“ (۹)

اور یہی حدیث ایک اور روایت میں یوں بیان کی گئی ہے :

(( مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمِيَّ ثُمَّ نَسِيَهُ فَهِيَ نِعْمَةٌ جَحَدَهَا )) (۱۰)

مختصراً ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اعداء آلات حرب مسلمانوں کے لئے ضروری اور لازمی ہے اسی طرح فنِ عسکری کو سیکھ کر اس کو ترک کرنا یا اسے بھول جانا انتہائی لائقِ ملامت امر ہے، جس کی طرف امامِ نووی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بصراحتِ تنبیہ کی ہے۔ موجودہ حالات اور زمانے کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک مسلمان ملک کے پاس جو قوت اور طاقت ہو، جس سے دشمنانِ اسلام مرعوب ہوتے ہوں، اس طاقت اور قوت کو ختم کرنا یا اس کو استعمال میں نہ لانا یا اس کو منجمد کرنا اسی وعید کے ضمن میں آتے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ نے حرمة اکل لحمِ فرس (یعنی گھوڑے کے گوشت کی حرمت) کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ :

ويكره لحم الفرس عند ابي حنيفة .... ولانه آلة ارباب العدو

فيكره اكله احتراماً له وللهذا يضرب له بسهم في الغنيمة ولانه في

اباحته تقليل آلة الجهاد (۱۱)

”امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ (اس کی ایک علت یہ

ہے) کیونکہ دشمن کے ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے کا آلہ ہے، اس لئے اس

کے احترام کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ اور اسی احترام و عظمت کی بنا پر

مالِ غنیمت میں گھوڑے کا مستقل حصہ ہے (اور دوسری علت یہ ہے) کہ اس کی

اباحت کی صورت میں آلہِ جہاد کی تقلیل ہوتی ہے۔“

کفار اور غیر مسلموں کے دباؤ میں آکر ایٹمی صلاحیت اور عسکری قوت کو منجمد یا اس

میں تخفیف کرنے کے متعلق کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے کے بارے میں ان

نصوصِ قطعیہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

﴿ فَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرَيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴾ (الفرقان : ۵۲)

”سو تو کفرنا مت مان مکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اس (قرآن) کے ساتھ بڑے

زور کا۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں :

﴿ وَلَا تَزْكُورُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ... ﴾ (ہود : ۱۱۳)

”اور مت بھکوان کی طرف پھر تم کو لگے گی آگ۔“

ایک اور فرمانِ ربانی ہے کہ :

﴿ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِينُونَ

عَلَيْكُمْ مَبِئَلَةً وَأَجْدَةً ﴾ (النساء : ۱۰۲)

”کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم

پر حملہ کریں یک بارگی۔“

ان نصوص میں تدبر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ نے پورے شد و مد کے ساتھ مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور کفار کی طرف معمولی میلان کو بھی موجب دخولِ نار ٹھہرایا ہے۔ اب اگر ہمارے حکمران یہود و ہنود اور نصاریٰ کے دباؤ میں آکر اس رسوائے زمانہ معاہدہ پر دستخط کرتے ہیں تو لازمی طور پر ان نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ ربانیہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو اس کی پابندی ضروری نہیں

اگر تخفیفِ اسلحہ کے متعلق کوئی بین الاقوامی معاہدہ موجود ہو اور اس کا کنٹرول بھی کفار کے ہاتھ میں ہو تو آیا اس صورت میں مسلمان اس معاہدہ کے پابند ہیں؟ سو اس بارے میں سب سے پہلے جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل آیات سامنے آتی ہیں :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ

أَتَرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۖ ﴾ (النساء : ۱۳۳)

”اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا لیا چاہتے ہو

اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح۔“

﴿ وَإِنَّمَا تَخَافْنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا

يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ ﴾ (الانفال : ۵۸)

”اور اگر تم کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عمد ان کی طرف اسی

طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔“

یعنی اگر آپ کو کسی قوم کے معاہدے سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف اسی صورت میں واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (۱۲)

### یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصْرَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۗ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُضْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ لَدِيمِينَ ۝ ﴾

(المائدة : ۵۲، ۵۱)

”اے ایمان والو! مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔ وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے۔ اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھیے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے، ڈر کر ملتے ہیں ان میں، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی۔ سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرمادے فتح یا کوئی امر اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتائے۔“ (تفسیر عثمانی)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ :

”ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اذلال سے منع فرمایا اور ان کی اہانت اور اذلال کا حکم فرمایا، اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔“ (۱۳)

ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سی ٹی بی ٹی یا این پی ٹی پر دستخط کرنے اور اس کے لئے راہ ہموار کرنے اور اس سلسلے میں تعاون کرنے کی صورت میں جو لوگ کفار، یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا جو مظاہرہ کرتے ہیں ان کا حشر کفار، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ہی ہو گا۔ لہذا حکومت کو چاہئے کہ معاہدہ پر دستخط کی صورت میں عقل

(اجتماعی) کاموں اور ملازمتوں میں کفار اہل ذمہ سے امداد لینا جائز نہیں۔ اسی طرح دوسری آیت :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۗ وَمَنْ يَتَّخِذْهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ... ﴾ (المائدة : ۵۱)

اسی طرح اس آیت کے ذیل میں بھی علامہ حصاصؒ فرماتے ہیں :

”ان آیات میں حق تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے، اور ان کی اہانت و اذلال کا حکم دیا ہے اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔“ (۱۵)

ارشاد ربانی ہے :

﴿ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكُفْرَيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَيْتَتُّونَ

عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۳۹)

”جو لوگ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے ذریعے قوت و عزت چاہتے ہیں۔ (وہ یاد رکھیں کہ) قوت و عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کیلئے ہے۔ (یعنی قوت و عزت اللہ کے قوانین پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے)۔“

تو مندرجہ بالا تصریحات اور نصوص کی رو سے کفار سے امداد طلب کرنا اور ان کے ساتھ دوستی بجا ہونا اس خاطر سے کہ اس میں ہماری عزت ہے، بالکل صحیح نہیں۔ اور یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمان ممالک نے جن کافر ملکوں کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کئے ہیں انہوں نے ایقائے عہد کا خیال نہیں رکھا۔ پاکستان اور عربوں کے معاہدے ہمارے سامنے ہیں، جس میں ہمیں خسارے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اسی آیت کے ضمن میں علامہ ابو بکر حصاصؒ رازیؒ لکھتے ہیں :

”وہذا يدل على انه غير جائز للمؤمنين الاستنصار بالكفار على

غيرهم من الكفار اذا كانوا متي غلبوا كان حكم الكفر هو الغالب

وبذلك قال اصحابنا“ (۱۶)

## فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل

مذکورہ بالا دلائل، جو قرآن کریم کی صریح آیات، سنت نبویؐ کی واضح ہدایات، مفسرین، محدثین اور فقہاء امت کی تشریحات پر مشتمل ہیں، اور جن پر تمام فقہی مکاتب کا اجماع ہے، سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(ا) اعداء اسلام کی جارحیت اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دفاع کے لئے ہر قسم کا فوجی ساز و سامان، آلات حرب کی تیاری، اس میں روز و شب ترقی اور دشمن کے ارہاب کے لئے اعداد و آلات جہاد فرض عین ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کی اساسی عبادات، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت محدود اوقات اور مقدار سے وابستہ ہیں، مگر دشمن کے مقابلہ کی تیاری غیر محدود، غیر مقید، غیر موقت اور تمام ممکنہ استطاعتوں سے وابستہ ہے جسے اللہ نے "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" میں بیان فرمایا ہے۔

(ب) دشمنان اسلام کے کسی دباؤ اور ترغیب و ترہیب میں آکر ایسا کوئی اقدام یا معاہدہ ہرگز جائز نہیں، جس سے فوجی اور حربی تیاریوں میں تعطل پیدا ہو، یا اس میں کمی آسکتی ہو، یا تیار شدہ حربی ساز و سامان کے استعمال کو منجمد کیا جاسکتا ہو، یا حربی ٹریننگ، مشق اور تربیت کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا اس میں کمی آسکتی ہو یا ان سارے امور پر کسی قسم کی قدغن لگ سکتی ہو۔

(ج) سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی کی شکل میں زیر بحث معاہدہ میں یہ سارے خطرات، خدشات اور گونا گوں پابندیاں موجود ہیں، اس لحاظ سے اس پر کسی بھی مسلمان ملک بشمول پاکستان کے دستخط یا اس کی تحریری اور زبانی کسی قسم کی تائید اور اتفاق کی از روئے قرآن و سنت و اجماع امت ہرگز اجازت نہیں۔ اگر کوئی بھی رکن حکومت، مثلاً اس کا سربراہ وزیر اعظم یا ممبر پارلیمنٹ یا عام شہری اس کی موافقت اور تائید کرتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور اللہ و رسولؐ کے واضح احکام کی صریح مخالفت اور ان احکام سے کھلی بغاوت کا مرتکب ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے دین



عقیدہ اور ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ جان بوجھ کر ایسا کرنے والے ملک و ملت کے غدار ہیں کہ اس طرح وہ ملک کی آزادی، سالمیت اور خود مختاری سلب کرانے جیسے قبیح جرم کے مرتکب ہوں گے۔ از روئے شرع ایسی صورت میں پوری قوم کو دینی، ملی اور قومی جرم کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف ہر قسم کی جدوجہد نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک ضلع نوشہرہ (پاکستان)

اسماء گرامی مفتیان کرام و مشائخ عظام:-

رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ



### حواشی

- |   |  |
|---|--|
| (۱) تفسیر کبیر، ج ۱۵، ص ۱۸۵                 | (۲) تفسیر عثمانی، ص ۲۳۳                    |
| (۳) مسلم، ج ۲، ص ۱۳۳                        | (۳) احکام القرآن، ج ۲، ص ۸۵                |
| (۵) رواہ ابوداؤد بذیل المجہود، ج ۱۱، ص ۲۲۸  | (۶) بذیل المجہود، ج ۱۱، ص ۲۲۸              |
| (۷) البحر الرائق، ج ۵، ص ۷۶                 | (۸) مسلم، ج ۲، ص ۱۳۳                       |
| (۹) مرقاۃ، ج ۷، ص ۳۱۳                       | (۱۰) مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ، ج ۲۸، ص ۹ |
| (۱۱) ہدایہ علی صدر فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۰-۲۱ | (۱۲) معارف القرآن، ج ۳، ص ۲۶۹              |
| (۱۳) احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۳۳               | (۱۳) احکام القرآن، ج ۲، ص ۳۳               |
| (۱۵) احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۳۳               | (۱۶) احکام القرآن، للجصاص، ج ۲، ص ۳۵۲      |

## سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

تحریر: فرزانہ رشید

عائشہ نام، صدیقہ لقب، اُمّ المؤمنین خطاب، اُمّ عبد اللہ کنیت اور حمیرا لقب ہے۔ نبوت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان برگزیدہ لوگوں میں ہیں جنہوں نے کفر و شرک کی کبھی آواز نہیں سنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بچپن کی ہر بات اچھی طرح یاد تھی۔ ہجرت کے وقت نہایت کم سن تھیں، لیکن قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرتِ نبویؐ کے تمام واقعات ان کو یاد تھے۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے واقعات کا تمام بیان مسلسل محفوظ نہیں رکھا۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ فرشتہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے، آپ نے کھول کر دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

چھ برس کی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول کریم ﷺ سے ہوا، جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ ہجرت کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کی درخواست کی، جس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہر کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ مہر کی رقم حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو بطور قرض دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۵۰۰ درہم تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے عرب کی بہت سی لغو رسومات کا خاتمہ ہوا۔ عرب منہ بولے بھائی کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے تھے، جب کہ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں آپ نے فرمایا تم میرے دینی بھائی ہو۔ دوسری رسم شوال کو منحوس خیال کر کے اس مہینے میں شادی نہ کرنا تھا۔ جب کہ حضرت عائشہؓ کی شادی و رخصتی شوال میں ہوئی۔ تیسری رسم کے طور پر عرب میں دلہن کے آگے آگے آگ جلائی جاتی تھی، اس کو بھی ختم کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا اصل دور رخصتی کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے علم الانساب اور شاعری کا ذوق حضرت ابو بکرؓ سے لیا، علم طب نبی کریم ﷺ کے پاس آنے والے طبیوں کے وفود سے سیکھا اور علوم دینیہ نبی اکرم ﷺ سے۔ حضرت عائشہؓ کی عادت تھی کہ ہر مسئلے کو بے تامل آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر دیتیں اور جب تک تسلی نہ ہو جاتی سوالات جاری رکھتیں۔

جماد اسلام کا ایک اہم فرض ہے۔ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ جس طرح دیگر فرائض میں مرد و زن کی تمیز نہیں اسی طرح یہ فرض بھی مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں پر عائد ہو گا۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر آپ نے ارشاد فرمایا ”عورتوں کے لئے حج ہی جماد ہے۔“

سورۃ المؤمنون کی آیت ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ ذِيهِمْ رَاجِعُونَ﴾ اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں، اور ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ (آیت ۶۰) کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا کہ اس آیت میں خدا سے ڈرنے والوں سے مراد کیا شرابی، چور یا بدکار ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں عائشہ! اس سے مراد وہ نمازی اور روزہ دار ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔“

ایک دفعہ نماز تہجد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے بغیر سونا چاہا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ وتر پڑھے بغیر سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال گستاخی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر وہ جرأت نہ کرتیں تو آج امت محمدیہ نبوت کی حقیقت سے نا آشنا رہتی۔ وہ احکام دینیہ نہایت شوق سے سیکھتی اور ان پر عمل کرتی تھیں۔

علم و اجتہاد حضرت عائشہؓ کی سیرت کا وہ باب ہے جس میں وہ نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں میں بھی ممتاز نظر آتی ہیں۔ کتاب و سنت اور فقہ و احکام کے علم کے اعتبار سے ان کا نام بلند مرتبہ صحابیوں (حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) کے ساتھ بلا تامل لیا جاسکتا ہے۔

اعمال حج کے سلسلے میں ایک رکن ”سعی“ یعنی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی

ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق الفاظ ہیں :

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ ﴾ (البقرة : ۱۵۸)

”صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائرِ الہی میں سے ہیں، پس جو کوئی خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا طواف کرے۔“

عروہ نے کہا: خالہ جان! اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔ فرمایا: بھانجے تم نے ٹھیک نہیں کہا۔ اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی۔ اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی پکار کرتے تھے۔ منات بھی وہیں نصب تھا، اس لئے وہ اسلام لائے تو انہوں نے پوچھا: پہلے ہم ایسا کرتے تھے، اب کیا حکم ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صفا اور مروہ کا طواف کرو، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ نبی پاک ﷺ نے بھی اس کا طواف فرمایا۔ اس طرح چند فقروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصولِ تفسیر کی بہت بڑی گرہ کھول دی۔ جس آیت کریمہ میں چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے اس کے الفاظ ہیں :

﴿ وَإِنْ حِفْظُهُمْ أَلَّا تَفْسِدُوا فِي الْيَسْمَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

النِّسَاءِ مَنًىٰ وَثَلَاثَ وَرُبْعَ ۚ فَإِنْ حِفْظُهُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ... ﴾

(النساء : ۳)

”اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (بیویوں کے مابین) عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔۔۔۔“

ایک شاگرد نے پوچھا کہ یتیموں کے ساتھ عدل و انصاف اور نکاح میں باہم کیا مناسبت ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائداد پر قبضہ کر لیں۔ وہ ان کو مجبور پا کر دباتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف سے کام نہ لے لو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو، تین یا چار تک نکاح

کر لو، مگر ان یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لے کر اپنے بس میں نہ لے آؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حدیث نبوی کی روایت کا شرف بھی حاصل ہے، اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی ہیں۔ احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک آدمی کو خیر بھیجتے تھے، وہ جا کر پیداوار کو دیکھتا اور تخمینہ لگاتا تھا۔ دوسرے راوی اس واقعہ کو اسی قدر بیان کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس روایت کو بیان کیا تو فرمایا :

وانما كان امر النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالحرص لکی یحصی الزکوة قبل ان

توکل الثمرة تفرق

”آپ نے تخمینہ لگانے کا حکم اس لئے دیا کہ پھل کھانے اور اس کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ کا اندازہ کر لیا جائے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں عطلی کی کمی کا یہ سبب ہے کہ آپ جب تک واقعہ کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتی تھیں روایت نہیں کرتی تھیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی تو بار بار پوچھ لیتی تھیں۔

جنس نسوانی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے بتایا کہ مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی، سیاسی اور امت کی بھلائی کے کام سرانجام دے سکتی ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابی کی بیوی حضرت عائشہ کے پاس آئیں، وہ ہر قسم کی زیب و زینت سے عاری تھیں۔ دریافت کرنے پر بولیں شو ہر دن بھر روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عثمان! ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا۔

بعض لوگوں نے روایت کی کہ اگر عورت، کتا اور گدھا نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ”تم نے کیسا برا کیا، ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے اور میں آگے لیٹی رہتی، آپ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں دبا دیتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی۔“

دراشت کے اصولوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کا حق فراموش نہیں کیا۔ ایک صورت ہے کہ اگر لڑکا وارث نہ ہو، صرف پوتے، پوتیاں اور بیٹیاں ہوں تو تقسیم

کیونکر ہوگی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی صورت میں پوتیوں کا حصہ نہیں گنتے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوتیوں کا حصہ بھی لگاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت آپ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے تھی، مگر حقیقت یہ نہیں، کیونکہ دیگر ازواج میں کئی بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت زیادہ حسین تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”فہم مسائل“ اجتہادِ فکر اور حفظِ احکام کی وجہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں محبوب تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: ”عائشہ“ کو عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح شریک کو عام کھانوں پر۔“

ایک مرتبہ سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بدک گیا، اور وہ آپ کو ایک طرف لے کر بھاگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اختیار فرمایا ”ہائے میری دلہن۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ آپ نے اس کا ذکر ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عائشہ! ان تین چاندوں میں سے یہ ایک چاند تھا جو یقیناً سب سے بہتر تھا۔ وقت نے ثابت کیا کہ بعد کے دو چاند حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے، جو وہاں مدفون ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۸ھ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ راوی بتاتے ہیں کہ ان کے جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ عید کے میلے کا ساماں تھا۔

(مضمون کی تیاری میں سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا از سید سلیمان ندوی سے مدد لی گئی ہے)

### بقیہ : تاریخ آندلس اور مسلمان

تاریخ کا مطالعہ نظر بیٹا اور زندہ و بیدار دل سے کرنا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ نظریہ بنا ہو تو مجاز و حقیقت اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتی ہے۔ اسی طرح دل زندہ و بیدار ہو تو وہ واقعات و حوادث سے سبق سیکھتا ہے اور عبرت حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلے میں دو اصول اور بھی یاد رکھنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ جو قوم زمانہ سے سبق نہیں سیکھتی اور عبرت حاصل نہیں کرتی، زمانہ اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسرا، جو قوم زمانے کی راکب نہیں بنتی، زمانہ اس کا راکب بن جاتا ہے۔ (انتخاب : محمد زمان)

✱ یہود اب تک عذابِ استیصال کا نشانہ کیوں نہیں بنے؟

✱ اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا تصور کیا ہے؟

✱ انسان کی کامیابی میں محنت اور مقدر کا کیا دخل ہے؟

قرآن آڈیو ریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد  
حاضرین کے سوالات اور امیر تنظیم اسلامی کے جوابات



① سابقہ امت مسلمہ یہود جو حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے انکار اور اپنے بس پڑتے ان کے قتل کے جرم کی وجہ سے عذابِ استیصال کے مستحق ہو گئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے کس حکمت عملی کے تحت اب تک زندہ رکھا ہوا ہے؟

یہ بہت اہم سوال ہے اور میری کتاب ”سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل“ میں اس کا مفصل جواب موجود ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے خود واقف ہے، ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ لیکن میرا اذعان یہ ہے کہ اس موجودہ امت مسلمہ کے اعلیٰ ترین طبقے کو بدترین سزا اللہ تعالیٰ نے دینی ہے، کیونکہ یہ بھی انہی غلط راستوں پر چل نکلے ہیں جن پر یہودی چلے تھے۔ جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ

((لَبِئْسَ عَمَلٌ عَلَىٰ مَا آتَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوُ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))

”میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے“ بالکل اسی طرح جیسے ایک جو تادوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔“

اور

((لَتَبْتَغُنَّ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ))

”تم لازماً انہوں سے پہلے لوگوں کے طور طریقوں پر چلو گے۔“

ہم بھی چونکہ انہی جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں سزا تو ملنی ہے، اور ہم میں جو اعلیٰ ترین حصہ ہے وہ عرب ہے، اور عربوں کی ذلت و توہین یہودیوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اصلاحی صاحب کہا کرتے تھے کہ ہمارے علاقے میں جب کوئی راجپوت غلط حرکت کرتا تھا اور اسے جوتے لگائے جاتے تھے تو کسی چہمار کو بلاتے تھے کہ وہ جوتے مارے۔ اب راجپوت کا سر ہے اور جوتا چہمار مار رہا ہے۔ گویا کہ an insult to injury کا معاملہ ہے کہ جوتا لگ رہا ہے وہ بھی چہمار کے ہاتھوں۔ اسی ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ قوم کے ہاتھوں مسلمان عربوں کو جوتے لگ رہے ہیں۔ اس لئے کہ درحقیقت ہم نے اپنے طرز عمل کی بنا پر اپنے آپ کو اس کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کی آخری شکل Holocaust کے درجے کی آنے والی ہے، جیسے ہی یہ Peace Process یروشلم کے مسئلے پر آکر اٹکے گا، اور اگر کہیں زیادہ بنیاد پرست یہودیوں میں سے کسی بد معاش نے مسجد اقصیٰ کو شہید کر دیا تو کیا ہو گا! مجھے ابھی ایک انٹرنیٹ ملا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے تین سرنگیں کھودی جا رہی ہیں اور مسجد کسی بھی وقت بیٹھ سکتی ہے۔ اگر کسی نے اس سرنگ کے اندر جا کر پاور فل بم نصب کر دیا تو وہ اسے اڑا دے گا۔ اس کے بعد وہاں جو قیامت آئے گی اس کا میں اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ اور یہ اصل میں عربوں کے اوپر اللہ کا عذاب ہو گا۔ عربوں کی زبان میں اللہ کی کتاب اتاری گئی، پھر ان میں سے کسی نے اپنا قبلہ واشٹنگٹن کو بنا لیا تو کسی نے ماسکو کو، اور کہیں پر بھی انہوں نے شریعت کے قوانین کی تنفیذ نہیں کی۔ یہ صورت حال ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد ان کا آخری خاتمہ ہو گا اور اسی لئے ان کے رسول (حضرت عیسیٰ ﷺ) کو بھی اٹھالیا گیا جو کہ ابھی زندہ ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے فرعون کی فوجیں غرق کی گئیں، حضرت نوح ﷺ کی نگاہوں کے سامنے ان کی قوم غرق کی گئی، ان کا اپنا بیٹا ان کی نگاہوں کے سامنے غرق ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ ﷺ ہی کے ہاتھوں ان پر آخری عذاب استیصال آئے گا جبکہ وہ دوبارہ آئیں گے، ان شاء اللہ۔

۲ اسلام میں تمام انسان برابر ہیں تو اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا تصور کیا ہے؟ حضور ﷺ کے دور میں بھی غلام رکھنے کی روایت رہی ہے۔



تمام انسان انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں، لیکن اب ایک شخص افسر ہے اور ایک اس کے ماتحت ہے تو کیا یہ برابر ہیں؟ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ ایک انسان ہونے کے ناطے وہ جو چڑا اسی ہے اور جو افسر ہے وہ برابر ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے مرد اور عورت بالکل برابر ہیں لیکن عورت کو گھر کے اندر اپنے شوہر کا حکم ماننا ہے ﴿الزَّجَالُ قَوَّ مُؤَنَ عَلٰی التَّنْسَاءِ﴾ یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اسی طرح کا انتظامی معاملہ اس وقت یہ تھا کہ جہاد میں جو جنگی قیدی آتے تھے ان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا بجائے اس کے کہ انہیں Concentration Camps میں رکھا جائے۔ اگر تو ایسے حالات ہوں کہ کفر کی قوت ٹوٹ چکی ہے اور اب کوئی حرج نہ ہو کہ جنگی قیدیوں (P.O.Ws) کو چھوڑ دیا جائے یا اسیچھینج ہو سکیں تو ایسا کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ایسی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ لیکن انہیں حکم یہ تھا کہ آپ انہیں انسان سمجھیں، جو خود کھائیں انہیں بھی کھلائیں، جو خود پہنیں انہیں بھی پہنائیں، کوئی مشقت کا کام ان سے لیں تو خود بھی اس میں شریک ہوں۔ انسان ہونے کے ناطے ان کے حقوق اسلام نے معین کئے ہیں۔ تاہم یہ انتظامی معاملہ تھا۔ مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر ان میں سے اکثریت پھر ایمان لے آئی۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ غلاموں ہی کی اولاد تھی جن کی ایک دور میں عالم اسلام میں عظیم حکومتیں قائم ہوئی ہیں۔ خاندان غلامان کی عظیم مملکت ہندوستان میں اور ممالیک (غلام) کی اسی زمانے میں مہر میں حکومت تھی۔ تو اسلام نے ایک طریقہ بتایا کہ جس سے غلاموں کی Emancipation ہو گئی، تو یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ انسان انسان میں فرق ہے۔

۳ انسان کی کامیابی میں محنت اور مقدر کو کیا دخل حاصل ہے؟

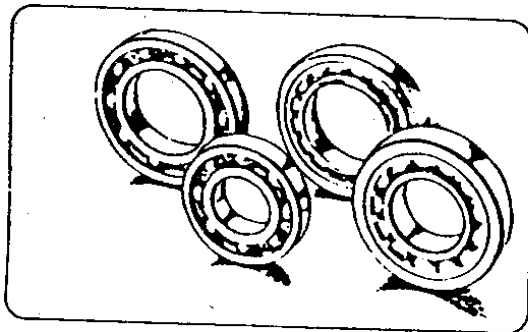
انسان کی کامیابی میں یہ دونوں عوامل شامل ہیں، محنت اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت (sanction) جیسے میں نے گلاس اٹھایا، اس میں میرا ارادہ تھا، میں نے محنت کی ہے، لیکن اذنِ رب کے بغیر میں یہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے عمل سے لے کر بڑے سے بڑے عمل میں یہ دونوں عوامل (Factors) موجود رہیں گے۔ کسی کام کا ارادہ، نیت اور کسب ہم کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی sanction ہوتی ہے تو ہم اسے کرباتے ہیں۔ لیکن sanction کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ وہ کام آپ کے لئے جائز ہو گیا۔ چور اُس وقت تک چوری نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو، لیکن چوری کرنا جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ پکڑے گا اور سزا دے گا۔ اس لئے کہ اس نے آپ کو اختیار دے رکھا ہے، آپ اگر چوری کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ آپ کو چوری کی اجازت دے گا، لیکن اس پر وہ ناراض ہے ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلًا سَلًا وَاغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿﴾ یعنی اگرچہ ہم نے تمہیں یہ اختیار تو دیا ہے کہ چاہو تو ہمارے شکر گزار بندے بن کر زندگی گزارو اور چاہو تو ہمارے ناشکرے بن کر زندگی گزارو، لیکن یہ جان لو کہ اگر ناشکرے بن کر زندگی گزارو گے تو ہم نے تمہارے لئے زنجیریں، طوق اور آگ بھی تیار کر رکھی ہے۔



**KHALID TRADERS**  
IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS &  
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,  
FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

AUTHORIZED AGENTS  
**NTN**  
BEARINGS



### PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593  
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP  
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)  
TELEX : 24824 TARIO PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734778

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS Sind Bearing Agency 84 A-85,  
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)  
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : Amin Arcade 42,  
(Opening Shortly) Brandreth Road, Lahore-54000  
Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road  
Gujranwala-Tel : 41790-210607

**WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING**

## ذرائع ابلاغ کے حوالے سے جنرل پرویز مشرف کی خدمت میں چند ضروری گزارشات

۱۷ اکتوبر کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے جو سات نکاتی ایجنڈا دیا ہے اس کا ہر نکتہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے، مگر عریانی و فحاشی، بے حیائی اور دیگر معاشرتی برائیوں میں غرق قوم کی اصلاح اور تعمیر سیرت و کردار کو آپ نے اپنے ایجنڈے کا حصہ نہیں بنایا۔ عریانی و فحاشی ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جو صرف جنسی بے راہ روی کے فروغ کا باعث ہی نہیں بنتی بلکہ بے شمار دیگر معاشرتی برائیوں کی بنیاد بھی رکھتی ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو اور دیکھ اچھی سے اچھی لکڑی کو کھا جاتی ہے، عریانی اور فحاشی بھی ایسے ہی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو تباہ کر دیتی ہے۔ گزشتہ نصف صدی میں جس طرح رشوت خور اور بد عنوان سرکاری ملازمین نے پاکستان کے اقتصادی و معاشی حالات کو تباہی کے دبانے پر پہنچایا ہے، ایسے ہی ذرائع ابلاغ پر قابض عریانی و فحاشی کے دلدادہ عناصر نے قوم کی اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

جناب چیف ایگزیکٹو! آپ نے اپنے سات نکاتی ایجنڈے میں اقتصادی کرپشن کو تو بہت اہمیت دی ہے، مگر اخلاقی اقدار کی کرپشن کا برائے نام بھی تذکرہ نہیں کیا۔ آج ہمارے معاشرے میں روزانہ بیسیوں لڑکیوں کو جو اجتماعی ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، وہ ذرائع ابلاغ کی پھیلائی گئی اشتعال انگیز عریانی و فحاشی ہی کا شمر ہے۔

ہمارے ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا دونوں) میں عریانی و فحاشی اور نمائش حسن کی دوڑ لگی ہوئی ہے، حالانکہ ان ذرائع ابلاغ کو ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کی نشریات اور دیگر ثقافتی سرگرمیوں کے کرتادھر مختلف حیلے بہانوں، لچر مکالموں، فحش اشاروں کنایوں، لچر لباس میں نسوانی جسم کے نشیب و فراز کی نمائش اور لچر ناچ گانوں کے ذریعے دیدہ دلیری کے ساتھ عریانی و فحاشی اور جنسی بے راہ روی

پھیلانے میں مصروف ہیں۔ بد قسمتی سے سنسورور ڈبھی اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا۔ کہ شاید اس میں بھی عریانی و فحاشی کے دلدادہ افراد ہی شامل ہیں، جو نہیں چاہتے کہ ہمارے معاشرے میں اسلامی اقدار کا احیاء ہو۔

اللہ کے باغی، شیطان کے ساتھی، عریانی، فحاشی، بے حیائی، بد کاری اور بے ہودہ فیشن کے دلدادہ، جو ا اور شراب و شباب کے رسیا، حیا سوز ناچ گانوں اور مجروں کے تماش بین، آوارہ، بد کردار اور بد چلن لوگ اللہ اور اسکے تمام انبیاء ﷺ کی طرف سے قرار دی گئی ہریدی اور حرام کو حلال قرار دے کر خود کو ترقی پسند، روشن خیال، ماڈرن اور لبرل مسلمان کا لقب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی عیاش اور گمراہ لوگوں کیلئے قرآن مجید اور دیگر تمام آسمانی کتابوں میں بدترین عذابِ جہنم کی وعید سنائی ہے۔

قرآن میں ”غَضَبِ بَصْرٍ“ کا حکم ہے، یعنی آنکھوں کے زنا سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کے حسن اور ان کی زینت کی دید سے لذت اندوز ہونا مردوں کیلئے اور اجنبی مردوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا عورتوں کیلئے آنکھوں کا زنا ہے۔ عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے، مگر ہمارے ٹیلی ویژن پر تو حسیناؤں کے اشتعال انگیز جلوے دیکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ قرآن میں عورتوں کے بارے میں حکم ہے کہ

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى . . . . . ﴾

(الاحزاب : ۳۳)

”اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور ایامِ جاہلیت کی طرح زینت و جمال کا مظاہرہ نہ کرو۔“

مگر ہمارے ٹیلی ویژن پر تو خواتین کے جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کر کے دکھایا جاتا ہے۔ اخلاقی اقدار کی تباہی کے لئے سادہ ناچ گانے کوئی کم خطرناک نہ تھے، کہ انہیں بد خیالی کے مناظر کے ساتھ پیش کر کے خطرناک ترین بنا کر پوری قوم کو فحش خواب دیکھنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ یہ جنسی خواب محض خواب نہیں رہتے، یہ گینگ ریپ اور عصمت دریوں میں بدل جاتے ہیں۔ اخبارات کے صفحات چیخ چیخ کر گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے ذرائع ابلاغ جنسی بے راہ روی کے فروغ کی انتہائی تباہ کن اور خطرناک پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

عریانی و فحاشی کے علاوہ مزاحیہ ڈراموں اور شیخ شوخ میں مزاح کے نام پر اسلامی

اخلاقیات کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ ان پروگراموں میں جھوٹ، مذاق، طعنہ زنی، نام بگاڑنے، مکرو فریب، دغا بازی اور بے ادبی وغیرہ کی ترغیب دی جاتی ہے، جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَرُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ بُئِيَ السُّمُّ الْقَسْوُقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ ﴾ (الحجرات : ۱۱)

”مومنو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرو۔ بہت ہی برا ہے ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا۔ اور جو لوگ ان باتوں سے توبہ نہ کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔“

﴿ وَبِئْسَ لِكُلِّ هَمْزَةٍ لَّمْزَةٍ ۝ ﴾ (الهمزة : ۱)

”اور ہلاکت ہے طعنہ دینے والے، عیب لگانے والے کیلئے۔“

حدیہ ہو گئی ہے کہ ۲۳/ اکتوبر کی رات کو ٹیلی ویژن پر مقابلہ حسن کا انعقاد بھی کر دیا گیا۔ ہم نے یہ پروگرام خود تو نہیں دیکھا، مگر شنیدہ اطلاعات کے مطابق کپیری بیوٹی سوپ بنانے والوں کے زیر اہتمام کراچی میں ”بیوٹی فل گرل آف دی ایئر“ مقابلہ ہوا جس میں ملک کی معروف ماڈل گرلز اور اداکاراؤں نے شرکت کی اور یہ مقابلہ ٹیلی ویژن سے نشر کیا گیا۔

جناب چیف ایگزیکٹو! ذرائع ابلاغ سے پھیلائی جا رہی عریانی و فحاشی کے معاشرے پر پڑنے والے تباہ کن اثرات پر غور کریں، اسے معمولی برائی نہ سمجھیں، یہ صرف مشرقی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو بدلنے کی گھنٹیا کو شش ہی نہیں، بلکہ یہ ہمارے معاشرے کو گند کرنے اور حیا سوز بنانے کی بدترین شیطانی سازش بھی ہے۔ اسے روشن خیالی اور ترقی پسندی کا نام دے کر نظر انداز نہ کریں، بلکہ اسے کلچرل دہشت گردی قرار دے کر اس کے انداد کی سخت تدابیر اختیار کریں۔ شرم و حیا سے عاری ٹیلی ویژن کے لچر

پروگرام نسل نو کے لئے زہر ہلاہل بن چکے ہیں۔ اس زہر کا تریاق ڈھونڈنے میں مزید تاخیر نہ کریں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، ذرائع ابلاغ کی پُر فریب قوت سے یہاں شیطانی تہذیب کو نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا نہایت اہم مقام ہے۔ وہ ایک ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہے، مگر ذرائع ابلاغ میں اسے ایک محبوبہ اور ماڈل گرل بنا دیا گیا ہے۔ عورت کی اس سے بڑی توہین و تذلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا تقدس اور احترام اس سے چھین کر اسے محض ایک اشتہاری چیز بنا دیا جائے!

قوموں کی ترقی، معاشرے کی تعمیر اور نسل نو کی تعلیم و تربیت میں عورت بنیادی کردار کی حامل ہے۔ اور یہ اسی صورت میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکتی ہے جب اسے ماں، بہن، بیٹی اور وفا شعار بیوی کے روپ میں پیش کیا جائے۔ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کا کردار اسلام میں متعین کر دیا گیا ہے اور اس میں حسن و جمال اور جسمانی نشیب و فراز کی نمائش کی کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کے ہر دانشور نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں سب سے زیادہ ہاتھ عورت کا ہے اور ماں کی گود ہر انسان کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔ نپولین نے کہا تھا ”مجھے بہترین مائیں دو، میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔“ مگر ہمارے ذرائع ابلاغ کہتے ہیں ”ہمیں خوبصورت عورت دو، ہم تمہیں تفریح کیلئے بہترین بے حیائی دیں گے۔“

ہمارے چند نام نہاد دانشوروں نے عریانی و فحاشی کو ترقی کا نام دے رکھا ہے۔ اور بد قسمتی سے یہی نام نہاد لوگ ذرائع ابلاغ پر قابض چلے آ رہے ہیں جو کسی صورت بھی خواتین کو حجاب میں اور معاشرے میں اسلامی اقدار کے احیاء کو نہیں دیکھ سکتے۔

جناب چیف ایگزیکٹو! آپ ان نام نہاد روشن خیال ترقی پسند دانشوروں کے جھانسنے میں نہ آئیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو سامنے رکھیں :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوبَ الشَّيْطَانِ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوبَ

الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ﴾ (النور: ۲۱)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اور جو کوئی اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔“

﴿ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ ﴾ (البقرہ : ۲۶۸)

”شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا اور بے حیائی کی راہ بھاتا ہے۔“  
اسلامی معاشرہ میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو انتباہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ ﴾ (النور : ۱۹)

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کیلئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔“

گزشتہ دونوں حکومتیں جس ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی ہیں یقیناً ان کی اس ذلت و رسوائی میں دیگر عوامل اور ان کی سیاہ کاریوں کا بھی دخل ہوگا، مگر ہمارے خیال میں ان کے زوال کی سب سے بڑی وجہ پاکستان کے اسلامی معاشرے میں ٹیلی ویژن کے ذریعے عریانی و فحاشی پھیلانے کی پالیسی پر عمل کرنا تھا۔ ہم نے ہر دو حکمرانوں تک بار بار بذریعہ اخباری اشتہار اور خطوط اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا حکم پہنچایا، مگر دونوں نے اس پر توجہ نہ دی، اس لئے کہ شیطان نے بے حیائی کو بڑے فریب اور پُرکشش بنا کر ان کے سامنے پیش کئے رکھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے انتباہ کے مطابق وہ دنیا کے عذاب میں مبتلا ہو گئے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ گزشتہ حکمرانوں کے انجام سے عبرت پکڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کے انتباہ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھتے ہوئے ذرائع ابلاغ سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کے خاتمے میں مزید تاخیر نہیں کریں گے۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ عریانی و فحاشی کے دلدادہ قبضہ گروپ سے اسے آزاد کرا کر ایسے لوگوں کے حوالے کر دیا جائے جو ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کی روح کے مطابق انہیں چلانے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں۔

جناب چیف ایگزیکٹو! ہماری تجویز ہے کہ آپ ایسی پالیسی ترتیب دیں کہ پی ٹی وی کی نشریات سے لچر ڈرامے، لچر اشتہارات، لچر سٹیج شوز اور دیگر حیا سوز پروگراموں کا خاتمہ ہو اور مملکت خدا داد پاکستان میں حقیقی خوفِ خدا اور فکرِ آخرت رکھنے والا ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آسکے۔

ملک احمد سرور

جنرل سیکرٹری، تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان

پوسٹ بکس ۶۲۱۶ لاہور

# تاریخ اُنڈلس اور مسلمان

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی کتاب ”تاریخ اُنڈلس“ سے انتخاب

سپین کو ہسپانیہ اور اُنڈلس بھی کہتے ہیں۔ یہ یورپ کا براہی خوبصورت ملک ہے۔ پہلی صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی ثقافت اپنے جلال و جمال، علم و عمل، توحید و تقویٰ اور قوت و صولت کی وجہ سے بام عروج پر تھی تو سپین شرک و جہالت، ناخواندگی و افلاس اور معاشرتی بیماریوں میں مبتلا پس ماندہ ملک تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں سرطانی اداروں کی حکومت تھی۔ سرطانی اداروں کا مطلب ہے فرعون، ہامانی، قارونی اور آزری ادارے۔ ان چاروں اداروں کی صراحت کر دی جاتی ہے۔ فرعون، آزرے سے مراد آمرانہ حکومت یا مطلق العنان بادشاہت ہے۔ بادشاہ عموماً اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجائے اپنا حکم چلاتے تھے۔ اس لئے انہیں تلیح کے طور پر ”فرعون“ کہتے ہیں۔ اب جو بھی حکمران ایسا کرتے ہیں وہ بھی حقیقت میں فرعون ہیں۔ ان کے ذریعوں، درباریوں اور حکام کو ”ہامان“ کہا جاتا ہے۔ ہامان بادشاہوں کے احکام کو نافذ کرتے اور ان پر عمل درآمد کراتے تھے۔ فرعونوں کی حکمت عملی یہ ہوئی تھی کہ وہ لوگوں پر حکومت کرنے اور رعایا کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کی خاطر ہامانوں کی طرح جاگیرداروں، بڑے بڑے زمینداروں، امیروں، سرمایہ داروں، سود کاروں کا طبقہ قائم کرتے تھے جس کیلئے ”قارونی“ ادارے کی تلیح اختیار کی جاتی ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے اور رعایا کو اپنا مطیع و فرمان بردار رکھنے کی خاطر ہامانی اور قارونی اداروں کے ساتھ ”آزری“ ادارہ بھی قائم کرتے تھے۔ آزری ادارے سے مراد جھوٹی مذہبی پیشوائیت ہے۔ فرعون، ہامان اور قارون اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس جعلی مذہبی یا آزری ادارے کی سرپرستی کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اس کے بدلے آزر یا علماء سوء اور جھوٹے مشائخ فرعونی حکومت اور ہامانوں اور قارونوں کی حمایت کرتے اور ان کی شان میں قصیدے پڑھتے اور لوگوں کو ان کے احکام پر چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور ان کے مظالم کو خاموشی سے برداشت کرنے کی تلقین کرتے اور اسے صبر و توکل اور تقدیر سے تعبیر کرتے تھے۔ آزر اب بھی یہی کرتے ہیں۔

یہ ادارے رعایا کو اپنا غلام و محکوم اور محتاج و دست نگر بناتے اور لوگوں کو ان کے انسانی یا بنیادی حقوق (مثلاً روزگار، روٹی، مکان، لباس، مفت تعلیم و تربیت، مفت علاج معالجے، مفت عدل و انصاف، احترام انسانی، آزادی و مساوات، کسب اور تقریر و تحریر کی آزادی وغیرہ) سے محروم رکھتے تھے۔ اور اس



کے نتیجے میں معاشرے میں طرح طرح کی سرطانی برائیاں پھیل جاتی تھیں۔ مثلاً شرک و بت پرستی، ظلم و گناہ، بے حیائی و رشوت ستانی، سود خوری و کاروباری بددیانتی، جرائم و فساد وغیرہ۔ اس پر ان ظالمانہ اداروں کو سرطانی اداروں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سپین (Spain) کے معاشرے میں دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح سرطانی بیماریاں وبا کی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ سرطانی ادارے رعایا پر بے پناہ ظلم کرتے، ان کا استحصال کرتے اور ان کے انسانی حقوق سلب کرتے اور انہیں اپنا غلام بناتے، لیکن ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ان کو کنیزیں سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حقوق حاصل نہ تھے، ان کو پڑھانا معیوب سمجھا جاتا تھا، اس لئے وہ آن پڑھ ہوتی تھیں۔ بردہ فروشی کا عام رواج تھا۔ کیتھولک کلیسا کی خرابیوں اور سرطانی برائیوں میں مبتلا ہو جانے کے سبب شرک و بت پرستی زمانے کا دستور تھا۔ لوگ خدا آشنا تھے نہ خود آشنا۔ اس کے نتیجے میں قوم مذہبی عصیت اور فرقہ واریت کا شکار تھی اور اس میں اتحاد و اتفاق کا فقدان تھا۔ طبقاتی منافرت و خاصیت بھی زوروں پر تھی۔ لوگ صنعت کاری سے قریب قریب نا آشنا تھے۔ آبپاشی، نکاسی آب وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ سرطان زدہ سپین کی اس حالت زار کی خبر اموی حکمرانوں کو پہنچی تو انہوں نے رعایا کو سرطانی اداروں کی محکومی و غلامی سے نجات دلانے اور ان کو ان کے بنیادی حقوق دلانے نیز شرک و بت پرستی اور جہلانہ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کو ان سے چھٹکارا دلانے اور انہیں توحید کی راہ مستقیم پر چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے جہاد کی ضرورت تھی۔ یعنی بنی نوع انسان کو ان کے انسانی حقوق دلانے کی خاطر ان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں، معاشرتی سرطانوں اور سرطانی اداروں کے خلاف جان و مال اور قلم و زبان اور جدید و قدیم ہر قسم کے ہتھیاروں سے جنگ کرنا۔ مسلمانوں سے جب سپین کے مظلوم و گمراہ اور محکوم و غلام لوگوں کی زبوں حالی اور حالت زار دیکھی نہ گئی تو انہوں نے سپین پر چڑھائی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ہمیں یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام تحریک توحید و رحمت ہے، لہذا سچا مسلمان وہ ہے جو موحد و مجاہد اور نوع انسانی سمیت جملہ مخلوقات کے لئے رحمت ہو۔ رحمت محبت اور احسان و ایثار کو چاہتی ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے سپین پر حملہ کرنے کا اصل محرک و سبب ان کے لئے ”رحمت“ بنا تھا۔ دوسرے لفظوں میں سرطانی اداروں کے طوق غلامی سے ان کی گلو خلاصی کرانا تھی۔ ان کے دلوں میں حسن انقلاب، ذنیوی و اخروی حسن، حیات طیبہ، علم و حکمت، آزادی ضمیر، کفالت اجتماعیہ، تکمیل انسانی، توحید اور انسانی حقوق کی آرزو کو زندہ کرنا تھا۔ ان کو مذہب و مثنیٰ اور موحد و صالح بنانا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو جنگ کی جائے اسے جہاد کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جہاد فرض ہے اور ہر مسلمان کے لئے مجاہد ہونا لازم ہے۔

پہلی صدی ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کی۔ معاشرہ اتحاد و اتفاق اور قومیت کی علامت ہوتا ہے۔ اس معاشرے کی بنیاد ”قرآن حکیم“ کے احکام و

تعلیمات پر رکھی گئی تھی۔ قرآن حکیم آخری الہامی کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات و احکام علم و حکمت پر مبنی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نور و ہدایت کہا ہے۔ قرآنی تعلیمات بڑی ہی پاکیزہ، اعلیٰ ایمان افروز، حیات آفرین اور حکمت آموز ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات بھی ایسی ہی تھیں۔ چنانچہ ان دونوں کا اثر تھا کہ مسلمان بڑے ہی متقی، خلیق و حلیم، عادل و محسن اور جفاکش و مجاہد تھے۔ وہ موحد تھے، اس لئے صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، معاشرتی سرطانوں اور سرطانی اداروں سے نہیں ڈرتے تھے۔ انہیں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت، حکومت اور شخصیت کا خوف نہ تھا۔ انہیں اپنی جان کا بھی خوف نہ تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔ وہ اسلام کے تحفظ کے لئے جان و مال قربان کر دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان سے بڑی بڑی حکومتیں خوف کھاتی تھیں، لیکن جہاں تک اپنے دینی بھائیوں کا تعلق تھا، وہ ایک دوسرے کے دوست و غم خوار تھے۔

اسلام چونکہ توحید و تقویٰ، حق و صداقت، عدل و احسان اور علم و حکمت کا علمبردار ہے اس لئے مسلمان موحد، حق پرست اور علم دوست تھے، لیکن شرک و بت پرستی اور ظلم و جمل کے سخت دشمن تھے اور دنیا کو ان خطرناک بیماریوں سے پاک و صاف کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسلام کے نزدیک انسان صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ یا غلام ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طاقت یا شخصیت کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر مسلمان غلامی کے دشمن اور انسان کی آزادی اور حکم کے علمبردار تھے۔ یہ قرآن حکیم ہی ہے جس نے سب سے پہلے انسان کے انسانی یا بنیادی حقوق کو تسلیم کیا اور مسلمانوں کو دنیا کے تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا محافظ بنانے کا حکم دیا۔ اسی طرح اسلام نے دوسری اقوام کی رہنمائی اور ہدایت کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر ڈالی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآہونے کی مقدور بھرکوشش کی۔ چنانچہ اُندلس کی فتح بھی ان کی ایسی ہی کوشش کا نتیجہ تھی۔

اُندلس کی فتح مسلمانوں کا ایک عمدہ ساز و جہت انگیز کارنامہ ہے اور ان کی حکومت تاریخ عالم کا ایک درخشاں باب ہے۔ مسلمانوں نے اُندلس پر تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ اگر ان کا موازنہ برصغیر پاک و ہند کی برطانوی حکومت سے کریں، جو مغربی پاکستان میں ایک صدی اور مشرقی پاکستان (سابقہ، موجودہ بنگلہ دیش) اور بھارت میں دو صدیوں سے بھی کم رہی تو اُندلسی حکمرانوں کے تدبیر و فراست، جرات و ہمت اور حکمت عملی کی داد دینا پڑتی ہے اور یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مسلمان انیسویں صدی کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ، طاقتور انگریز قوم سے، جس کی حکومت میں سورج غروب نہ ہوا تھا، ہر لحاظ سے بدرجہا بہتر تھے۔ اس موازنے سے مسلمانوں کی عظمت پارینہ کی ایک جھلک دیکھنے سے موجودہ محققین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ تاریخ کا یہ بڑا ہی بصیرت افروز اور عبرتناک المیہ ہے کہ یورپ کے مؤرخوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر مسلمانوں کی حکومت اُندلس کی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ ان پردوں کو چاک کرنے اور تاریخ اُندلس کو حقائق اور اصل واقعات کے آئینے میں دیکھنے

# تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا اردو ترجمہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے آپ کے جریدہ کے تازہ شمارہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے آپ کی تجویز دیکھی ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی یہ تجویز میری اس تجویز کے بہت مشابہ ہے جو میں شروع سے پیش کرتا آ رہا ہوں۔ میرا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ ریاست ایک کثیر النسل اور تاریخی لحاظ سے مصنوعی ساخت کی حامل ریاست ہے۔ چنانچہ شمالی علاقے اور پیر بنجال سے نیچے کے جنوب مغربی، پنجابی بولنے والے حصے کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے جبکہ لداخ اور جموں کا حصہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ وادی کو جو جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی طور پر ایک شے ہے، پاکستان اور بھارت کی مشترک چھتری کے نیچے مکمل داخلی خود مختاری حاصل ہونی چاہئے، جیسا کہ سپین اور فرانس کی سرحد پر واقع اندورا (Andorra) کا معاملہ ہے۔ وادی کی تعمیر و ترقی، دفاع اور خارجی تعلقات کی ذمہ داری پاکستان اور بھارت مل کر ادا کریں۔ کشمیریوں کو پاکستان اور بھارت، دونوں کے اندر آنے کی اجازت ہو لیکن اس کے برعکس پاکستان یا ہندوستان کے کسی شہری کو وادی میں جا کر آباد ہونے کی اجازت نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی ایک حل ہو سکتا ہے جس سے تمام فریقین یعنی بھارت، پاکستان اور کشمیریوں کے مفادات کی تکمیل ہوتی ہے۔

سید شہاب الدین

سابق ممبر پارلیمنٹ

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا

ایڈیٹر ماہانہ مسلم انڈیا